اتباع سنت
عقائد اور احکام میں

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمن الاعظمی رحمہ اللہ
(مؤلف الجامع الکامل فی الحدیث الصحیح الشامل و مدرس مسجد نبوی شریف)

مترجم : کامران عبد العزیز قاضی

ناشر : مرکز دار الہدی، اڈپی، ہند
DAR-UL-HUDA UDUPI
سلسلہ مطبوعات 3 مرکز دار الہدی اُڈپی

اتباع سنت

عقائد اور احکام میں

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن الاعظمی رحمہ اللہ

(مؤلف الجامع الکامل فی الحدیث الصحیح الشامل و مدرس مسجد نبوی شریف)

مترجم

کامران عبدالعزیز قاضی

ناشر: مرکز دار الہدیٰ، اڈپی

طبع چہارم

۱۴۴۳ھ/۲۰۲۱ء

مرکز دارالہدی، اڈپی

DAR-UL-HUDA CHARITABLE TRUST ®

1#, First Floor, Himalay Pearl,

Udupi - Manipal Road, Kadiyali,

Udupi -576102, Karnataka - India

0091-7337814400 / 0091-9945565905

00966-507472706

@ DAR-UL-HUDA, UDUPI

بسم الله الرحمن الرحیم

فہرست

عرض ناشر ۷

مقدمہ ۱۱

مقدمہ (دوسرا ایڈیشن) ۱۳

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اطاعت کا حکم ۱۵

حکمرانوں کی اطاعت کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ۳۱

سنت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ۴۴

سنت کی تحقیق اور اس پر عمل پیرا ہونے میں صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُم کا کردار ۵۵

کتب احادیث کی دو بنیادی قسمیں ۷۰

جاہلیت کے رسم ورواج اور عادات واطوار کے بارے میں اسلام کا موقف ۸۸

صحیح عقیدہ ۹۷

عرض ناشر

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين أما بعد:

یہ چھوٹا سا رسالہ فضیلۃ الشیخ پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمن الاعظمی حفظہ اللہ کے عربی نسخہ «**التمسك بالسنة في العقائد والأحكام**» کا ترجمہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی علمی شخصیت سے اہل علم حضرات بخوبی واقف ہیں، اس موقعہ پر میں معتمد عمومی جامعہ دار السلام عمر آباد شیخ کاکا سعید احمد عمری حفظہ اللہ جو مصنف کو بہت قریب سے جانتے ہیں، انہیں کے الفاظ میں یہاں تحریر کر رہا ہوں

"عزیز موصوف کے ماضی سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ آپ کس گھر سے، کس ماحول سے اور کس دین سے اس کے رسم و رواج کو چھوڑ کر، گھر والوں سے ناطہ توڑ کر، راہِ حق کے ہر مشکل امتحان سے گزر کر، کوئی ساٹھ سال پہلے کفر سے اسلام کے سایے میں آئے۔ جامعہ دار السلام عمر آباد کی آغوش میں چھے سالوں کو کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر علم و عمل کے زیور سے آراستہ ہوے، بلکہ رات کے تین تین بجے مشفق اساتذہ کے دروازوں پر دستک دے کر سیکھنے پڑھنے اور آگے بڑھنے کے عمل کو جاری رکھا۔ افسوس کے ساتھ لکھنا پڑھتا ہے کہ آج ایسی لگن اور تڑپ کے طلبہ اور ویسے بے لوث و بے نفس اساتذہ خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

عمر آباد سے کندن بن کر نکلے۔ مکہ مدینہ میں ان کے قدم پہنچے۔ دونوں شہروں کی

یونیورسٹیوں سے بی اے، ایم اے کیا۔ جامعہ ازہر قاہرہ مصر سے ڈاکٹریت کی ڈگری حاصل کی۔ زندگی جن قربان گاہوں کی راہوں سے گزری، طبیعت اسی مناسبت سے مشکل پسند بن گئی۔ ایم اے، پی ایچ ڈی وغیرہ کے لیے موضوع بھی سخت سے سخت محنت طلب اختیار کیا۔ مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری کے ماتحت کچھ دن مصروفِ کار رہے۔ مزاج پڑھنے پڑھانے، لکھنے لکھانے کا تھا۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے حدیثِ رسول کے استاذ کا منصب منتظر تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے عمید (Principal) مقرر کر دیے گئے۔

شیخ محترم نے ادارہ کی ذمہ داریاں اور تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ بحث و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے میدان میں اپنا ایک مقام پیدا کیا ہے، کئی تصانیف کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوتے اور لوگ انھیں ہاتھوں ہاتھ قبول کر لیتے۔ سب سے عظیم کارنامہ "الجامع الکامل" کی تالیف کا ہے، جو ۲۰ سال کی مسلسل محنت کا ثمرہ ہے، یہ کتاب (۱۲) ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہے اور اس کا دوسرا ایڈیشن عنقریب (۱۸) جلدوں میں شائع ہونے جارہا ہے، جس میں ۱۶۸۰۰ حدیثوں کو مع تحقیق و تخریج جمع کیا ہے، اور مصنف کے خیال میں صحیح احادیث کی تعداد اسی کے قریب ہے۔

زیر نظر کتابچہ شیخ محترم کی کتاب «التمسك بالسنة» کے نئے ایڈیشن کا اردو ترجمہ ہے۔

«التمسك بالسنة» کا پہلا ترجمہ آپ ہی کے ایک ہونہار شاگرد ڈاکٹر حافظ طاہر نے کیا تھا جو دوبار مکتبہ دار السلام، ریاض سے شائع ہوا اور پھر «بمبئی» سے بھی شائع ہو کر مقبول عام ہوا۔

اسی کا یہ دوسرا ترجمہ ہے، کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے «التمسك بالسنة» کے نئے عربی ایڈیشن میں بہت کچھ تبدیلی اور حذف واضافہ کیا تھا، اس لئے اس کا نئے سرے

سے ترجمہ کرنا پڑا، اس کے مترجم جناب کامران عبد العزیز قاضی میرے دوستوں میں سے ہیں جو اس وقت «جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ» میں زیر تعلیم ہیں، ان کا ترجمہ بھی ان شاء اللہ مقبول عام ہو گا۔

میں اس بات سے بڑی خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب نے مجھے اس کو «دار الہدی» سے شائع کرنے کی اجازت دی ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ مجھے اور قارئین کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے، اور نبی ﷺ کی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دے۔ واللہ الهادي إلى سواء السبيل.

مدیر دار الہدی
ناکواپرویز احمد عمری مدنی
مدینہ منورہ

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين.

أما بعد: فإن أصدق الحديث كتاب الله، وخير الهدي هدي محمد ﷺ، وشر الأمور محدثاتها، وكل محمدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار.

یہ کتابچہ عقائد واحکام کے باب میں سنت نبوی کو مضبوطی سے تھامنے سے متعلق ہے، جو میری متعدد تصنیفات اور علمی تحقیقات کے دیباچوں کا خلاصہ ہے، افادہ عامہ کے پیش نظر بعض اہم اور مفید فوائد وزوائد کو شامل کتاب کیا گیا ہے، تاکہ دین کی فہم اور اس پر عمل کرنے میں اہل سنت کے طریقے کی اتباع کی جاسکے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اہل سنت کے طریقے سے متعلق لکھتے ہیں: «ظاہر وباطن میں احادیث نبویہ کی پیروی کرنا، مہاجر وانصار میں پہلے اسلام لانے والے صحابہ کی اتباع کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی درج ذیل وصیت پر عمل پیرا ہونا، اہل سنت والجماعت کا طریقہ ہے۔ ارشاد نبوی ہے: «عليكُم بسنَّتي وسُنَّةِ الخُلفاءِ، الرَّاشدينَ المَهديِّينَ مِنْ بَعْدِي، تمَسَّكوا بها وعَضُّوا عليها بالنَّواجذِ، وإيَّاكم ومُحْدَثاتِ الأمورِ، فإن كُلَّ مُحدَثَةٍ بدْعَةٌ، وكل بدعَةٍ ضَلالةٌ».

ترجمہ: میری اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے

تھامے رکھنا اور اس پر جمے رہنا اور دین میں ایجاد کردہ نئی چیزوں سے بچتے رہنا کیونکہ (دین میں) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

آخر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو سید المرسلین ﷺ کی سنت کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

پہلا ایڈیشن
١٤١٧ھ

مصنف
عفا اللہ عنہ

مقدمہ(دوسرا ایڈیشن)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين.

أما بعد:

میری کتاب «اتباع سنت عقائد واحکام میں» کے پہلے ایڈیشن کو دو دھائی گذر چکی ہے۔«الجامع الکامل فی الحدیث الصحیح الشامل» کی تالیف میں مشغول رہنے کے سبب کتاب ہذا کے نئے ایڈیشن کیلئے فارغ نہ ہوسکا، الحمد للہ «الجامع الکامل» کا پہلا ایڈیشن ۱۲ جلدوں میں چھپ چکا ہے اور دوسرا ایڈیشن ۱۸ جلدوں میں شائع ہورہا ہے۔اس کے بعد کتاب «اتباع کتاب وسنت عقائد واحکام میں» کی نظر ثانی کے لیے کچھ فرصت ملی۔

مذکورہ کتاب کا یہ دوسرا ایڈیشن اضافہ اور تعدیل کے بعد قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، تاکہ مسلمان اپنے مذہب اور وطن سے متعلق ذمہ داریوں کو پہچانیں، اللہ تعالیٰ ہی نیتوں کو جاننے والا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالی سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کتابچہ کو قارئین اور اس پر عمل کرنے والوں کیلئے نفع بخش بنائے اور اسے اپنی خوشنودی کا ذریعہ بنائے۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

دوسرا ایڈیشن	مؤلف
اضافہ اور تعدیل کے ساتھ	ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمن الاعظمی
۱۴۴۰ھ	عفا اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم

اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کو تمام مسلمانوں پر فرض کیا اور اپنی کتاب قرآن کریم میں اس کا حکم دیا۔ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:

﴿وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ﴾ [الحشر: ٧].

ترجمہ: اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ۔

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَجِيبُوا۟ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ﴾ [الأنفال: ٢٤] ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجا لاؤ، جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں۔

اور فرمایا:

﴿مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ ٱللَّهَ ۖ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَآ أَرْسَلْنَـٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴾[النساء: ٨٠].

ترجمہ: اس رسول (ﷺ) کی جس نے اطاعت کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی، اور جس نے منہ پھیر لیا تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

اللہ تعالی نے اپنے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالی اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ کے بارے

میں آگاہ کرتے ہیں کی جس نے ان کی اطاعت کی گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی در حقیقت اس نے اللہ تعالی کی نافرمانی کی۔ یہ اس لیے کہ نبی ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، بلکہ وہی کچھ فرماتے ہیں جو ان پر وحی کی جاتی ہے۔[١]

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ ٱللَّهُ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡۚ ﴾

[آل عمران: ٣١].

ترجمہ: کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔

اللہ تعالی نے متعدد آیتوں میں اپنے رسول کی اطاعت کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا منفرد ذریعہ قرار دیا، کیونکہ اس نے قرآن کو اجمالی طور پر نازل فرمایا اور اس کی تشریح و توضیح کی ذمہ داری اپنے رسول کو سونپ دی، چنانچہ قرآن کی تفسیر اپنے قول و عمل اور کردار سے کرنا آپ ﷺ کا اصل کام قرار پایا۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُونَ ﴾

[النحل: ٤٤].

ترجمہ: یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں، شاید کہ وہ غور و فکر کریں۔

---

(١) تفسیر ابن کثیر (٣١٩/٢)۔

اور فرمایا: ﴿ وَمَآ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ ٱلَّذِي ٱخۡتَلَفُواْ فِيهِ وَهُدٗى وَرَحۡمَةٗ لِّقَوۡمٖ يُؤۡمِنُونَ ﴿٦٤﴾ ﴾ [النحل: ٦٤].

ترجمہ: اس کتاب کو ہم نے آپ کے اوپر اس لیے اتارا ہے کہ آپ ان کے لیے ہر اس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اور یہ ایمان داروں کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن کریم (کا انداز بیان) مختلف اقسام پر مشتمل ہے:

- بعض احکام دین کو قرآن ہی نے مکمل وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے، لہذا ان کی وضاحت کے لیے قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔
- بعض احکام کی فرضیت کو قرآن نے واضح طور پر بتلایا، رسول کی اطاعت کو فرض قرار دیا، پھر رسول ﷺ ہی نے اللہ کی جانب سے ان کی فرضیت کی کیفیت، کس پر فرض ہے؟ اور ان میں سے بعض کب ساقط اور کب واجب ہوتی ہے؟ کی وضاحت فرمائی۔
- بعض احکام کو نبی کی سنت بیان کرتی ہے جن پر قرآن کی کوئی نص موجود نہیں۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَأَنزَلَ ٱللَّهُ عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُن تَعۡلَمُۚ وَكَانَ فَضۡلُ ٱللَّهِ عَلَيۡكَ عَظِيمٗا ﴾ [النساء: ١١٣].

ترجمہ: اللہ تعالی نے تجھ پر کتاب وحکمت اتاری ہے اور تجھے وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا اور اللہ تعالی کا تجھ پر بڑا بھاری فضل ہے۔

اور سورہ آل عمران میں فرمایا: ﴿لَقَدۡ مَنَّ ٱللَّهُ عَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ إِذۡ بَعَثَ فِيهِمۡ رَسُولٗا مِّنۡ أَنفُسِهِمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبۡلُ لَفِي ضَلَٰلٖ مُّبِينٍ ﴾ [آل عمران: 164].

ترجمہ: بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالی کا بڑا احسان ہے کے ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے، یقینا یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

مذکورہ آیات میں اللہ کے ذکر سے مراد (اللہ کی) کتاب یعنی قرآن کریم اور حکمت سے مراد سنت مطہرہ ہیں، کیونکہ دو الگ الگ چیزوں کی ایک جیسی تفسیر کرنا خلاف اَولی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں «اللہ تعالی نے کتاب یعنی قرآن اور حکمت کا تذکرہ کیا ہے اور میں نے قرآن کے ماہر علماء کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حکمت سے مراد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے»۔[1]

اللہ تبارک وتعالی نے ایسے شخص کے ایمان کی نفی کی ہے جو (اپنے معاملات میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم تسلیم نہ کرے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ [النساء: ٦٥].

ترجمہ: قسم ہے تیر رب کی! وہ مومن نہیں ہوسکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کردیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔

یہ آیت کریمہ حضرت زبیر بن عوام قریشی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جیسا کہ امام بخاری ومسلم[2] اور دیگر ائمہ نے ان سے روایت کیا ہے کہ ایک انصاری

---

(۱) الرسالة للشافعی (ص: ۳۲-۳۳)۔
(۲) صحیح بخاری (۲۳۵۹)، صحیح مسلم (۶۱۱۲)۔

مرد نے زبیر رضی اللہ عنہ سے مقام «حرہ» کے نالے میں جس کا پانی مدینہ کے لوگ کھجوروں کے درختوں کو دیا کرتے تھے، اپنے جھگڑے کو نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ انصاری شخص زبیر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: پانی کو آگے جانے دو، لیکن زبیر رضی اللہ عنہ کو اس سے انکار تھا۔ اور یہی جھگڑا نبی ﷺ کی خدمت میں پیش تھا۔ آنحضرت ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پہلے (اپنا باغ) سینچ لے پھر اپنے پڑوسی بھائی کیلئے جلدی جانے دے۔ اس پر انصاری کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا: ہاں، زبیر آپ کے پھوپھی کے لڑکے ہیں نا۔ بس رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپ نے فرمایا: اے زبیر! تم سیراب کرلو۔ پھر پانی کو اتنی دیر تک روکے رکھو کہ وہ منڈیروں تک چڑھ جائے۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میرا تو خیال ہے کہ یہ آیت اسی باب میں نازل ہوئی ہے۔

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ﴾

[النساء: ٦٥].

«قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں»۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «(مذکورہ آیت کا) مطلب یہ ہے کہ اپنے باہمی لڑائی جھگڑوں کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کی طرف لوٹا دو اور اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہو تو اپنے آپسی اختلاف میں قرآن وحدیث کو اپنا حاکم تسلیم کرو، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص متنازعہ امور میں کتاب وسنت کو حاکم اور فیصل نہیں مانتا اور نہ ہی ان کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ درحقیقت اللہ اور روز آخرت پر

ایمان نہیں رکھتا۔[۱]

امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «رُدُّوا الْجَهَالَاتِ إِلَى السُّنَّةِ»[۲].

ترجمہ: اپنے ناواقف کردہ امور کو سنت کی طرف لوٹا دو۔

اسی طرح امام بخاری و مسلم[۳] نے حضرت علقمہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ نے گودنے والیوں، گدوانے والیوں، بالوں کو نوچنے والیوں، دوسروں سے نچوانے والیوں، خوبصورتی کے لیے دانتوں میں درز ڈلوانے والیوں، اللہ کی خلقت (بناوٹ) میں تبدیلی کرنے والیوں پر لعنت کی ہے۔

کہتے ہیں: یہ حدیث بنو اسد کی ایک عورت تک پہنچی جن کو «ام یعقوب» کہا جاتا تھا، وہ قرآن مجید پڑھتی تھیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور کہا: میرے پاس آپ کی یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور بال نوچنے والیوں اور حسن کی لیے دانتوں میں درز ڈالنے والیوں، اللہ کی خلقت کو تبدیل کرنے والوں پر لعنت کی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان پر لعنت کیوں نہ کروں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے اور وہ اللہ رب العزت کی کتاب میں بھی ہے، اس خاتون نے کہا: میں نے قرآن مجید کی دونوں بیرونی تختیوں کے درمیان جو کچھ ہے سب پڑھا ہے، میں نے تو یہ بات اس میں نہیں پائی۔ انھوں نے کہا: اگر آپ اس

---

(۱) تفسیر ابن کثیر (۲/۳۰۴)۔

(۲) سنن سعید بن منصور (۱۳۲۶)۔
اس کی سند مسروق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مابین منقطع ہے۔

(۳) صحیح بخاری (۴۸۸۶)، صحیح مسلم (۲۱۲۵) الفاظ مسلم کے ہیں جبکہ امام بخاری نے اسے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔

کو اچھی طرح پڑھ چکی ہوتیں تو پالیتیں، اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟﴾ [الحشر: ۷].

«جو (چیز، بات، طریقہ، حکم) اللہ کے رسول ﷺ تمھیں دیں، وہ لے لو اور جس سے روک دیں، اس سے رک جاؤ»۔ وہ عورت کہنے لگی: مجھے ان میں سے کچھ چیزیں اب تمہاری بیوی پر بھی نظر آتی ہیں۔ انھوں نے کہا: جائیں اور خود دیکھ لیں۔ (علقمہ نے) کہا: وہ عورت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی کے پاس اندر چلی گئی تو ایسی کوئی چیز نہ دیکھی۔ وہ ان کے پاس واپس آئی اور کہا: میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ انھوں نے کہا: اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کے ساتھ مل کر نہ رہتے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ ٱلْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَٰلًا مُّبِينًا﴾ [الأحزاب: ۳۶].

ترجمہ: اور (دیکھو) کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا (یاد رکھو) اللہ تعالے اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

اللہ سبحانہ وتعالی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیعت کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ ٱللَّهَ يَدُ ٱللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾ [الفتح: ۱۰].

ترجمہ: جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقینا اللہ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اللہ تعالی نے مذکورہ آیت کریمہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باخبر کیاہے کہ ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنا در حقیقت اللہ کی بیعت کرناہے، اس لئے کہ اللہ تعالی ہی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رہبر ورہنما اور خوشخبری دینے والا پیغمبر بنا کر بھیجاہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب وحکمت نازل فرمائی ہے۔ اور حکمت ہی در حقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے جو قرآن کی تفسیر کرتی، اس کے معنی ومفہوم کو بیان کرتی، اس کے احکام پر دلالت کرتی اور اسکے مطلب کو سمجھاتی ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ «عقیدہ واسطیہ» میں فرماتے ہیں:

امام دارمی رحمہ اللہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی تو ایک شخص کہنے لگا: قرآن میں تو اسکے برعکس حکم ہے۔

حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا: خبردار! میں تمہیں حدیث رسول بیان کرتا ہوں اور تم قرآن سے اس کی مخالفت پیش کرتے ہو؟ سنو! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کو تم سے زیادہ جانتے تھے۔[1]

اسی لئے یحی بن ابی کثیر نے فرمایا: «سنت قرآن پر حاکم ہے نہ کہ قرآن سنت پر»[2] یعنی سنت قرآن کے معنی ومفہوم کی وضاحت اور اسکی تشریح کرتی ہے۔

سنت کی تکذیب اور اس سے دشمنی ایمان کی ضد ہے، بالکل ویسے ہی جیسے اسکی تصدیق واطاعت کفر کی ضد ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے ساتھ ساتھ اس

---

(۱) الدارمي، باب السنة قاضية على كتاب الله (۵۹۴)۔

(۲) الدارمي (۵۹۱)۔

جیسی ایک اور چیز عطا کی گئی تھی[۱] اور وہ سنت مشرفہ ہے۔

مطلب بن حنطب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا أَمَرَكُمْ بِهِ اللهُ إِلَّا وَقَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَمَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا نَهَاكُمُ اللهُ عَنْهُ إِلَّا وَقَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ»

ترجمہ: میں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی کہ جس کا اللہ تعالی نے تمہیں حکم دیا ہو، مگر میں نے تمہیں اس کا حکم کر دیا ہے اور میں نے ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی کہ جس سے اللہ تعالی نے تمہیں منع کیا ہو، مگر میں نے تمہیں اس سے روک دیا ہے۔[۲]

یہ حدیث علماء کے درمیان معروف و مشہور ہے۔

اسی مفہوم کی ایک اور حدیث حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: غزوہ تبوک کے دن نبی اکرم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، اللہ تعالی کی حمد وثنا بیان کی، اس کے بعد کہا: «أَيُّهَا النَّاسُ، إِنِّي وَاللهِ مَا آمُرُكُمْ إِلَّا بِمَا أَمَرَكُمُ اللهُ بِهِ، وَلَا أَنْهَاكُمْ إِلَّا عَمَّا نَهَاكُمُ اللهُ عَنْهُ، فَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ، فَوَالَّذِي نَفْسُ أَبِي الْقَاسِمِ بِيَدِهِ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَطْلُبُهُ رِزْقُهُ كَمَا يَطْلُبُهُ أَجَلُهُ، فَإِنْ تَعَسَّرَ عَلَيْكُمْ شَيْءٌ مِنْهُ فَاطْلُبُوهُ بِطَاعَةِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ».

(۱) اسے اصحاب سنن نے روایت کیا ہے جس کی تخریج آئندہ کے صفحات میں ملاحظہ ہو۔

(۲) اسے امام شافعی نے عبد العزیز بن محمد، عن عمرو بن ابی عمرو عن المطلب روایت کیا ہے۔ امام شافعی ہی کی سند سے امام بیہقی نے شعب الایمان (۱۱۴۱) میں روایت کیا ہے۔
یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ مطلب بن حنطب کی نبی ﷺ سے کوئی ملاقات ثابت نہیں نیز وہ صدوق، کثیر الارسال ہیں۔

ترجمہ: اے لوگوں! اللہ کی قسم! میں تو تمہیں صرف اسی چیز کا حکم دیتا ہوں جس کا اللہ تعالی نے تمہیں حکم دیا ہے اور صرف اسی چیز سے تمہیں روکتا ہوں جس سے اللہ تعالی نے تمہیں منع فرمایا ہے، لہذا دعا میں حسن وجمال کو اختیار کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابو القاسم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی حیات مبارکہ ہے! تم میں کا ہر ایک شخص اپنے رزق کو بالکل اسی طرح تلاش کرتا ہے جس طرح اس کی موت اسے ڈھونڈ نکالتی ہے، اگر تم پر (رزق کا تلاش کرنا) گراں گذرے تو اسے اللہ تعالی کی اطاعت وفرمانبرداری (کی مدد) سے تلاش کرلیا کرو۔(۱)

اطاعت رسول ان امور میں سے ایک ہے، جس کی تبلیغ کا اللہ تعالی نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اپنے اس فرمان میں حکم دیا ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغۡ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكَ مِن رَّبِّكَۖ وَإِن لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهُۥۚ وَٱللَّهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ ٱلنَّاسِۗ﴾ [المائدة: ٦٧].

ترجمہ: اے رسول! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچادیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی اور آپ کو اللہ تعالی لوگوں سے بچالے گا»۔

اور اللہ تعالی نے اپنے درج ذیل فرمان میں اس بات کی گواہی دی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہر اس چیز کو مضبوطی سے تھامے رکھا جس کا اللہ تعالی نے انھیں حکم دیا:

---

(۱) اسے امام طبرانی نے المعجم الکبیر (۳/۸۶) میں روایت کیا ہے۔
اس کی سند میں عبد الرحمن بن عثمان بن ابراہیم ہے جسے ابو حاتم نے ضعیف قرار دیا ہے، مگر امام ابن حبان نے «الثقات» (۱۲۴۹) میں اس راوی کو داخل کیا ہے۔

﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِيٓ إِلَىٰ صِرَٰطٖ مُّسْتَقِيمٖ﴾ [الشورى: ۵۲].

ترجمہ: بے شک آپ راہ راست کی رہنمائی کر رہے ہیں۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہی در حقیقت اللہ تعالی کا وہ (سیدھا) راستہ ہے جس کی اتباع کا اس نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے۔

عبد الرحمن بن عمرو سلمی اور حجر بن حجر کا بیان ہے کہ ہم عرباض بن ساریہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی: ﴿وَلَا عَلَى ٱلَّذِينَ إِذَا مَآ أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ أَجِدُ مَآ أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ﴾ [التوبة: ۹۲].

ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں کہ جب وہ آپ کے پاس آئے کہ آپ انھیں سواری دیں، آپ نے کہا: میرے پاس کوئی چیز نہیں تو وہ اس حال میں لوٹ گئے کہ ان کی آنکھیں اس غم سے آنسو بہارہی تھی کہ انھیں کچھ میسر نہیں جسے وہ خرچ کریں» ہم نے انھیں سلام کیا اور عرض کیا: ہم آپ سے ملنے کیلئے آئے ہیں اور یہ کہ آپ کی عیادت ہو جائے اور کوئی علمی فائدہ بھی حاصل کرلیں، تو حضرت عرباض رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک دن نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف منہ کرلیا اور وعظ فرمایا، بڑا ہی بلیغ اور جامع وعظ، ایسا کہ اس سے ہماری آنکھیں بہہ پڑیں اور دل دہل گئے، ایک کہنے والے نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ تو گویا الوداعی وعظ تھا، تو آپ ہمیں کیا وصیت فرماتے ہیں؟ فرمایا:

«أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ

وَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ».

ترجمہ: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقوی اختیار کیے رہنا اور اپنے حاکموں کی سمع وطاعت کرتے رہنا، خواہ وہ حاکم حبشی غلام کیوں نہ ہو، کیونکہ تم میں سے جو میرے بعد زیادہ دیر زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا، لہذا تم میری سنت اور میرے خلفاء کی سنت اپنائے رکھنا، خلفاء جو اصحاب رشد وہدایت ہیں، سنت کو خوب مضبوطی سے تھامنا، بلکہ ڈاڑھوں سے پکڑے رہنا، نیز نئی نئی بدعات سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا، بلاشبہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (۱)

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ «جامع العلوم والحکم» میں لکھتے ہیں: اس (مذکورہ) حدیث میں اختلاف وانتشار کے وقت نبی ﷺ اور ان کے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا گیا ہے، اور عربی زبان میں سنت ایسے راستے کو کہتے ہیں جس پر چلا جائے، معلوم ہوا کہ مذکورہ حکم عقائد، عبادات اور اقوال سب میں رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام کے طریقے کو مضبوطی سے تھام لینے پر مشتمل ہے اور یہی کامل سنت ہے۔ (۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر انسان اپنے نفس کے محاسبہ کے وقت یا کسی سے مباحثہ کرتے ہوئے کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھام لے تو اللہ تعالی اسے سیدھے راستے کی توفیق عطا کرتا ہے، کیونکہ شریعت نوح علیہ السلام کی کشتی کی مانند ہے

(۱) سنن ابو داود (۴۶۰۷)، جامع ترمذی (۲۶۷۶)، مقدمہ سنن ابن ماجہ (۴۲) الفاظ ابو داود کے ہیں اور ترمذی نے اس حدیث کو «حسن صحیح» کہا ہے۔

(۲) جامع العلوم والحکم (ص ۲۳۰)۔

کہ جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جس نے اس سے روگردانی کی ڈوب گیا۔ (۱)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فتنہ اس وقت تک تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ تمہیں اپنے دین کی معرفت حاصل ہو، فتنہ تو اس وقت مضر ثابت ہوتا ہے جب تم پر حق اور باطل مشتبہ ہو جائے۔ (۲)

امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بسند حسن حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «أَلاَ هَلْ عَسَى رَجُلٌ يَبْلُغُهُ الحَدِيثُ عَنِّي وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلَى أَرِيكَتِهِ، فَيَقُولُ: بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ الله، فَمَا وَجَدْنَا فِيهِ حَلاَلاً اسْتَحْلَلْنَاهُ. وَمَا وَجَدْنَا فِيهِ حَرَامًا حَرَّمْنَاهُ، وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُولُ الله كَمَا حَرَّمَ اللهُ».

ترجمہ: خبردار رہو! قریب ہے کہ کوئی آدمی اپنے آراستہ تخت پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور وہ کہے: ہمارے اور تمہارے درمیان (فیصلے کی چیز) بس اللہ کی کتاب ہے۔ اس میں جو چیز ہم حلال پائیں گے، بس اسی کو حلال سمجھیں گے، اور اس میں جو چیز حرام پائیں گے بس اسی کو ہم حرام جانیں گے، یاد رکھو! بلاشک وشبہ رسول اللہ ﷺ نے جو چیز حرام قرار دے دی ہے وہ ویسے ہی حرام ہے جیسے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز» (۳)

ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: «أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ،

---

(۱) درء تعارض العقل والنقل (۱/۲۳۴)۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۸۴۴۷)۔

(۳) جامع ترمذی (۲۶۶۴)، مقدمہ سنن ابن ماجہ (۱۲) الفاظ ترمذی کے ہیں۔
امام ترمذی کہتے ہیں اس سند سے یہ حدیث «غریب» ہے۔

وَمِثْلَهُ مَعَهُ أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلَى أَرِيكَتِهِ يَقُولُ عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوهُ، وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَام فَحَرِّمُوهُ، أَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمْ لَحْمُ الْحِمَارِ الْأَهْلِيِّ، وَلَا كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبُعِ، وَلَا لُقَطَةُ مُعَاهِدٍ، إِلَّا أَنْ يَسْتَغْنِيَ عَنْهَا صَاحِبُهَا، وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَعَلَيْهِمْ أَنْ يَقْرُوهُ فَإِنْ لَمْ يَقْرُوهُ فَلَهُ أَنْ يُعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ».

ترجمہ: یاد رکھو! مجھے قرآن جیسی اور ایک چیز دی گئی ہے۔ خبر دار! عنقریب ایسے ہو گا کہ ایک پیٹ بھرا (آسودہ حال) آدمی اپنے تخت یا دیوان پر بیٹھا کہے گا کہ صرف قرآن کو اختیار کر لو، جو اس میں حلال ہے اسے حلال جانو، اور جو اس میں حرام ہے اسے حرام سمجھو، خبر دار! تمہارے لیے پالتو گدھے، نوکیلے دانت والے درندے اور کسی ذمی (کافر) کا گرا پڑا مال اٹھالینا حلال نہیں، الا یہ کہ وہ مال اتنا کم اور حقیر ہو کہ اس کا مالک اس سے بے پرواہ ہو جائے۔

اور جو کوئی کسی قوم کے پاس جائے تو ان پر واجب ہے کہ اس کی مہمانی کریں، اگر وہ اس کی مہمانی نہ کریں تو اسے حق حاصل ہے کہ اپنی مہمانی کے مثل ان سے بذریعہ طاقت حاصل کرے۔ (۱)

اس حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ حدیث کو پرکھنے کیلئے اسے قرآن پر پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ جو کچھ بھی نبی ﷺ سے ثابت ہے، وہ بذات خود حجت اور دلیل ہے۔

جامع ترمذی میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) سنن ابو داود (۴۶۰۴)، سنن ابن ماجہ (۱۲) الفاظ ابو داود کے ہیں۔

«نَضَّرَ اللهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا وَحَفِظَهَا وَبَلَّغَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ»، «ثَلَاثٌ لاَ يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ: إِخْلَاصُ العَمَلِ لله، وَمُنَاصَحَةُ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَلُزُومُ جَمَاعَتِهِمْ، فَإِنَّ الدَّعْوَةَ تحِيطُ مِنْ وَرَائِهِمْ».

ترجمہ: اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو میری بات کو توجہ کے ساتھ سنے، اسے محفوظ رکھے اور دوسروں تک پہنچائے، کیوں کہ بہت سے علم کی سمجھ رکھنے والے علم کو اس تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ تین چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے ایک مسلمان کا دل دھوکہ نہیں کھا سکتا، (۱) عمل خالص اللہ کے لیے (۲) مسلم حکمرانوں کے ساتھ خیر خواہی (۳) اور مسلمانوں کی جماعت سے جڑ کر رہنا، کیوں کہ دعا ان کا چاروں طرف سے احاطہ کرتی ہے۔ (۱)

یہ حدیث متواتر ہے، کیونکہ اسے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے تیس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے روایت کیا ہے۔ نیز اس حدیث کا شمار ان عظیم الشان احادیث میں ہوتا ہے جو سنت نبوی کے حفظ واہتمام، اسے پڑھنے پڑھانے اور لوگوں کے سامنے اس کی تبلیغ کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔ (۲)

اس حدیث میں نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس شخص کیلئے تروتازگی اور شادابی کی دعا کی ہے جو سنت نبوی کو یاد کرنے اور اسے پڑھنے پڑھانے کا اہتمام کرتا ہے۔

---

(۱) جامع ترمذی (۲۶۵۸) امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث «حسن صحیح» ہے۔

(۲) ملاحظہ ہو: تدريب الراوي (۲/۱۷۹) اور قطف الأزهار المتناثرة في الأخبار المتواترة (۲)۔

نضارت (تروتازگی) سے مراد چہرے کی تروتازگی اور اس کا حسن و جمال ہے، اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی اسے جنت کی نضارت یعنی اس کی نعمتیں عطا کرے گا۔

امام شافعی فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا (اپنی امت کو) اپنے فرمان کے سننے، اسے یاد کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی دعوت دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ صرف اسی چیز کی تبلیغ کرنے کا حکم دیتے ہیں، جس کے ساتھ اس شخص پر حجت قائم ہوسکے جس کو اس کی دعوت دی گئی ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کی طرف سے صرف قابل عمل حلال، قابل پرہیز حرام، قائم کی جانے والی حد، لیے اور دیے جانے والے مال اور دین و دنیا کی بابت خیر خواہی ہی کی تبلیغ کی جاسکتی ہے۔[1]

---

(۱) الرسالة (ص۴۰۲-۴۰۳)۔

حکمرانوں کی اطاعت کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا ﴾ [النساء: ۵۹].

ترجمہ: اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالی کی اور فرمانبرداری کو رسول ﷺ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالی کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

اطاعت کا مفہوم:

اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو مکمل طور پر تسلیم کرنا اور بغیر کسی شرط کے اسے بجالانے کو ((اطاعت)) کہتے ہیں۔

اولوالامر سے مراد:

اولوالامر سے مراد ایسے حکمراں ہیں جن کی حکمرانی پر لوگوں کا اتفاق ہو۔

عبد اللہ بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب لوگ عبد الملک کے خلیفہ بننے پر متفق ہوگئے تو میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو پایا کہ انھوں نے خلیفہ کو لکھا: میں اللہ اور

اس کے رسول کے طریقے پر اپنی وسعت وطاقت کے بقدر امیر المؤمنین عبد الملک کے ہاتھوں پر سمع وطاعت کی بیعت کرتا ہوں، اور میرے بیٹوں نے بھی اس کا اقرار کیا ہے۔(۱)

اولو الامر کی اطاعت سے مراد سمع وطاعت (یعنی ان کی بات سننا اور اس پر عمل کرنا) ہے۔

حضرت ابو ہریرة رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ، وَمَنْ يُطِعِ الأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ يَعْصِ الأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي».

ترجمہ: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔(۲)

اور انہی سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے: «عَلَيْكَ السَّمْعَ وَالطَّاعَةَ فِي عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ، وَمَنْشَطِكَ وَمَكْرَهِكَ، وَأَثَرَةٍ عَلَيْكَ».

ترجمہ: امیر کے حکم کی اطاعت کر، اپنی پریشانیوں میں بھی اور اپنی خوشحالیوں میں بھی، اپنی خوشی میں بھی اور اپنی ناخوشی میں بھی اور اس وقت بھی جب تم پر وہ کسی اور کو ترجیح دے۔(۳)

---

(۱) صحیح بخاری (۷۲۰۳)۔
(۲) متفق علیہ: صحیح بخاری (۲۹۵۷)، صحیح مسلم (۱۸۳۵)۔
(۳) صحیح مسلم (۱۸۳۶)۔

نبی ﷺ کے فرمان «أَثَرَةٍ عَلَيْكَ» (تم پر ترجیح دی جارہی ہو) کا مطلب ایسی چیز کو لے کر الگ ہونا جس میں تمہارا حق ہو۔

اس حدیث میں امیر کا حکم سننے اور ماننے کی ترغیب دی گئی ہے، اگرچہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو؟ اس کی اطاعت کا حق ادا کیا جائے، نہ تو اس کے خلاف خروج کیا جائے اور نہ ہی اسے معزول کیا جائے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى المَرْءِ المُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلاَ سَمْعَ وَلاَ طَاعَةَ».

ترجمہ: مسلمان کے لیے امیر کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا ضروری ہے، ان چیزوں میں بھی جنہیں وہ پسند کرے اور ان میں بھی جنہیں وہ ناپسند کرے۔ جب تک اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے، پھر جب اسے معصیت کا حکم دیا تو نہ سننا باقی رہتا ہے نہ اطاعت کرنا۔ متفق علیہ (١)

نبی ﷺ کے فرمان: «فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ» (پسندیدہ اور ناپسندیدہ چیزوں میں امیر کی اطاعت کرنے) کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں اس کی اطاعت کرنا، چاہے وہ اس کے موافق ہو یا اس کے مخالف۔

اور اگر امیر کسی ایسی چیز کا حکم دے یا اسے لاگو کر دے جس کے جواز میں علماء کے درمیان اختلاف ہو تو علانیہ طور پر اس کی نکیر کرنا جائز نہیں، اور اگر کوئی اسے نصیحت کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ اسے سری (اکیلے میں) نصیحت کرے، اور امیر کو

---

(١) صحیح بخاری (۷۱۴۴)، صحیح مسلم (۱۸۳۹)۔

نصیحت کرنا ہر شخص کی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ یہ امیر کے قریبی معروف ومشہور علماء کا حق ہے، پھر امیر کے لیے ضروری بھی نہیں کہ وہ ہر نصیحت کو قبول کرے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جس کا اس نے حکم دیا ہو، ملک کی مصلحت اس کا تقاضہ کرتی ہو۔

اس کے علاوہ حاکم وقت کے تمام اوامر اور منع کردہ چیزوں میں اس کی اطاعت فرض ہے، اور اس کے خلاف بغاوت کرنا جائز نہیں۔

اہل سنت والجماعت کے امام ابو محمد البربہاری (ت:۳۲۹ھ) فرماتے ہیں: جس نے مسلمانوں کے حاکم کے خلاف بغاوت کی تو وہ «خارجی» ہے، کیونکہ اس نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالی اور حدیثوں کی مخالفت کی، اگر وہ اسی حالت میں مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

نیز فرمایا: حاکم وقت خواہ ظالم ہی کیوں نہ ہو، ان سے لڑنا اور ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا جائز نہیں ہے۔

اور کہا: حاکم وقت سے لڑائی کرنا مسلمانوں کا طریقہ نہیں، کیونکہ ایسا کرنے میں دین ودنیا کی بربادی ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿ وَٱعۡتَصِمُواْ بِحَبۡلِ ٱللَّهِ جَمِيعٗا وَلَا تَفَرَّقُواْۚ ﴾ [آل عمران: ۱۰۳]. ترجمہ: اللہ تعالی کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔

اور «حبل اللہ» سے مراد اہل سنت والجماعت کے یہاں قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ جماعت اور اس کے امیر کو لازم پکڑنا بھی شامل ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا، وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا، فَيَرْضَى لَكُمْ: أَنْ تَعْبُدُوهُ، وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا، وَيَكْرَهُ لَكُمْ: قِيلَ

وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ».

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالی تمہارے لیے تین چیزیں پسند کرتا ہے اور تین ناپسند کرتا ہے، وہ تمہارے لیے پسند کرتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو، اور وہ تمہارے لیے قیل و قال (فضول باتوں) کثرت سوال اور مال ضائع کرنے کو ناپسند کرتا ہے۔ (۱)

اسی طرح حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «ثَلَاثُ خِصَالٍ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ أَبَدًا: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لله، وَمُنَاصَحَةُ وُلَاةِ الْأَمْرِ، وَلُزُومُ الْجَمَاعَةِ، فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تحِيطُ مِنْ وَرَائِهِمْ».

ترجمہ: تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مومن کا دل خیانت نہیں کرتا:

عمل کو اللہ کیلئے اخلاص کے ساتھ ادا کرنا، مسلمان حکمرانوں کی خیر خواہی کرنا اور ان کی اجتماعیت میں شامل رہنا کیونکہ ان کی دعا دوسروں کو بھی شامل ہوتی ہے۔ (۲)

ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ، إِلاَّ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً».

---

(۱) اسے امام مسلم نے صحیح مسلم (۱۷۱۵) میں زہیر بن حرب عن جریر عن سہیل عن ابیہ عن ابی ہریرہ روایت کیا ہے، جس میں تیسری چیز مذکور نہیں، البتہ امام احمد نے مسند احمد (۸۳۳۴) میں اپنی اسناد سے حضرت سہیل سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں: اور تم حکمرانوں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ رکھنا۔

(۲) اسے امام احمد نے مسند (۲۱۵۹۰) میں صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

ترجمہ: جو اپنے امیر میں کوئی ایسی چیز پائے جسے وہ ناپسند کرتا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ اس پر صبر کرے، کیونکہ جس نے ایک بالشت بھی مسلمانوں کی جماعت سے دوری اختیار کی اور اسی حال میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (۱)

لہذا صبر کرنا اہل سنت والجماعت کے بنیادی اصولوں میں ایک اہم اصول ہے۔

محمد بن المنکدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب یزید بن معاویہ کے لیے بیعت کی گئ تو اس کا تذکرہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کیا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر یہ خیر ہے تو ہم راضی ہیں اور اگر شر ہے تو ہم صبر کریں گے۔ (۲)

اس اثر میں ایسے مفاسد کو ترک کرنے کی ترغیب ہے کہ جس کی وجہ سے جماعت میں پھوٹ پڑ سکتی ہو، اور اس باب میں کئی حدیثیں اور صحابہ کے آثار مروی ہیں۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے بارے میں دریافت کرتے اور میں شر کے بارے میں پوچھتا، اس خوف سے کہ کہیں میں شر میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ میں نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر کے دور میں تھے پھر اللہ تعالی نے ہمیں اس خیر سے نوازا تو کیا اس خیر کے بعد پھر شر کا زمانہ آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! میں نے پوچھا: کیا اس شر کے بعد پھر خیر کا زمانہ آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! لیکن اس خیر میں کمزوری ہوگی۔ میں نے پوچھا کہ کمزوری کیا ہوگی؟ فرمایا کہ کچھ لوگ ہوں گے جو میرے طریقے کے خلاف چلیں گے، ان کی بعض باتیں اچھی ہوں گی لیکن بعض میں تم برائی

---

(۱) متفق علیہ: صحیح بخاری (۷۰۵۴)، صحیح مسلم (۱۸۴۹)۔

(۲) الطبقات الکبری (۴/ ۱۸۲)، مصنف ابن ابی شیبہ (۳۱۲۱۶)۔

دیکھو گے۔ میں نے پوچھا کہ کیا پھر دور خیر کے بعد دور شر آئے گا؟ فرمایا کہ ہاں جہنم کی طرف بلانے والے دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے، جو ان کی بات مان لے گا وہ اس میں انہیں جھونک دیں گے۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! ان کے کچھ اوصاف بیان کیجئے۔ فرمایا: وہ ہمارے ہی جیسے ہوں گے اور ہماری ہی زبان بولیں گے۔ میں نے پوچھا: پھر اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو آپ مجھے ان کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ رہنا۔ میں نے کہا کہ اگر مسلمانوں کی جماعت نہ ہو اور نہ ان کا کوئی امام ہو؟ فرمایا کہ پھر ان تمام لوگوں سے الگ ہو جاؤ، خواہ تمہیں جنگل میں جاکر درختوں کی جڑیں چبانی پڑیں یہاں تک کے اسی حالت میں تمہاری موت آجائے۔ متفق علیہ (۱).

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالی کے حکم سے روگردانی کرنے کی وجہ سے فتنے پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالی نے حق (قبول کرنے) اور صبر کرنے کا حکم دیا ہے۔

فتنہ یا تو حق کو ترک کرنے یا صبر کا دامن چھوڑنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (۲)

باہمی تعلقات کی اصلاح کرنا، اتحاد و اتفاق قائم کرنا اور دلوں کو جوڑنا دین کے بنیادی اور اہم قواعد میں شامل ہیں۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے : ﴿وَلَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ تَفَرَّقُوا۟ وَٱخْتَلَفُوا۟ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ ٱلْبَيِّنَٰتُ ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾﴾ [آل عمران: ١٠٥].

ترجمہ: تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے

---

(۱) صحیح بخاری (۷۰۸۴)، صحیح مسلم (۱۸۴۷) الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۲) الاستقامة (۱/۳۹)۔

کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انہیں لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔

اور فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ [الأنفال: ١].

ترجمہ: سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو۔

اس طرح کے نصوص جس میں اجتماعیت کا حکم اور اختلاف وانتشار کی ممانعت وارد ہے قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں، اور جس طرح مذکورہ قاعدے کے اصل حقدار اہل جماعت (اتحاد واتفاق کرنے والے) ہیں، بالکل اسی طرح اس سے روگردانی کرنے والے ہی دراصل تفرقہ باز ہیں۔[1]

امام طحاوی رحمہ اللہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: حکمرانوں کے ظلم وزیادتی کے سبب ان کے خلاف بغاوت کرنا، ان کو بد دعا دینا، ان کی اطاعت سے منہ موڑنا، ہمارا عقیدہ نہیں ہے۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ جب تک وہ اللہ تعالی کی نافرمانی کا حکم نہ دیں ان کی اطاعت، اللہ تعالی کی اطاعت ہے، اور ہم ان کے حق میں (ان کی) اصلاح اور عافیت وتندرسی کی دعا کرتے ہیں۔

امام البربہاری فرماتے ہیں: «جب آپ کسی شخص کو حاکم وقت کے خلاف بد دعا کرتے دیکھیں تو جان لیں کہ وہ بدعتی ہے اور جب کسی کو حاکم وقت کے حق میں خیر کی دعا کرتے ہوئے پائیں تو جان لیں کہ وہ ان شاء اللہ سنت کا متبع ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «اگر مجھے یقین ہو کہ میری ایک دعا قبول ہوگی تو میں صرف مسلمانوں کے حاکم کے لیے دعا کروں گا، کیونکہ حاکم وقت کے

---

(١) فتاوی ابن تیمیہ (٢٨ / ٥١)۔

راہ راست پر ہونے سے عوام اور ملک کی اصلاح وابستہ ہے۔[(۱)]

امام البربہاری مزید فرماتے ہیں: ہمیں ان (حاکموں) کی اصلاح کے لیے دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ہمیں ان کے خلاف بد دعا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، اگرچہ انہوں نے ظلم وزیادتی ہی کیوں نہ کی ہو، کیونکہ ان کے ظلم و ستم کا وبال انہی پر ہو گا، جبکہ ان کی اصلاح ودرستگی کا فائدہ خود ان کے لیے اور سارے مسلمانوں کے لیے ہے۔[(۲)]

امام طحاوی لکھتے ہیں: ہم سنت کی پیروی کرتے اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑتے ہیں، اور علیحدگی، اختلاف وانتشار اور پھوٹ ڈالنے سے باز رہتے ہیں۔

جماعت کا مفہوم:

جماعت سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنھم، تابعین، تبع تابعین اور قیامت تک آنے والے ان کے متبعین پر مشتمل مسلمانوں کی جماعت ہے، جن کی اتباع کرنا سراسر ہدایت اور ان کی مخالفت کرنا کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

احادیث کریمہ میں جس طرح حاکم وقت کی اطاعت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، نیز اس کے خلاف بغاوت کرنے سے منع کیا گیا ہے، اسی طرح مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے بھی کا حکم دیا گیا ہے، نیز گمراہ فرقوں سے اور ایسے منافقوں سے دور رہنے کی تعلیم دی گئی ہے جو بظاہر ہم میں سے ہیں اور ہماری زبان بولتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ ظاہری دشمن سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔

لہذا تمام مسلمان اور خاص طور سے طلباء کو کتاب وسنت اور سلف صالح کے اقوال

---

(۱) سیر أعلام النبلاء (۸/۴۳۴) یہ بات امام احمد کی جانب منسوب ہے۔

(۲) شرح السنة (۱۱۷)۔

سے ماخوذ شدہ نفع بخش علم سے آراستہ و پیراستہ ہونا ضروری ہے، تاکہ وہ صحیح عقیدہ، دین خالص اور حاکم وقت کا دفاع کر سکیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: (مسلمانوں کی) جماعت کے بغیر دین (کا تصور نہیں)، حاکم کے بغیر (مسلمانوں کی) جماعت نہیں، اور (حاکم کی) اطاعت و فرمانبرداری کے بغیر حکومت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ (۱)

جہاں تک نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا تعلق ہے تو اس کا اصل مقصد جیسا کہ شیخ الاسلام نے کہا ہے کہ وہ اچھائیوں کا حصول اور ان کی تکمیل، نیز فساد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا یا قدر امکان کم کرنا ہے، تاہم اگر بھلائی کا حکم دینے یا برائی سے روکنے کی وجہ سے اصلاح کی بجائے بگاڑ اور فساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مشروع اور جائز نہیں۔

(یہ بھی یاد رہے کہ) حاکم وقت کو اچھے انداز میں نیز حکمت و دانائی کے ساتھ نصیحت کرنا بھی ضروری ہے۔

حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْصَحَ لِسُلْطَانٍ بِأَمْرٍ، فَلَا يُبْدِ لَهُ عَلَانِيَةً، وَلَكِنْ لِيَأْخُذْ بِيَدِهِ، فَيَخْلُوَ بِهِ، فَإِنْ قَبِلَ مِنْهُ فَذَاكَ، وَإِلَّا كَانَ قَدْ أَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ لَهُ».

ترجمہ: جو شخص بادشاہ وقت کو کوئی نصیحت کرنے کا اردہ رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ علانیہ طور پر اس کا اظہار نہ کرے، بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں اسے نصیحت کرے، اگر وہ نصیحت قبول کرتا ہے تو ٹھیک، اور اگر وہ اسے قبول نہ کرے تو (ناصح) نے اپنی

---

(۱) سنن دارمی (۲۵۱)۔

ذمہ داری مکمل کرلی۔ (۱)

بعض علماء کہتے ہیں: اگر حاکم وقت کسی عالم کو فتوی دینے سے روک دے تو اس عالم کو فتوی دینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا، اگر وہ (حاکم کے منع کرنے کے باوجود بھی) فتوی دیتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا، کیونکہ فتوی دراصل دلوں کا علاج ہے، اور حاکم کے لیے دلوں کے ڈاکٹر کو پرکھنا ضروری ہے، کیونکہ دلوں کے ڈاکٹر کا امتحان لینا، جسم کے ڈاکٹروں کو پرکھنے سے زیادہ ضروری اور اہم ہے، معلم کا حال بالکل اسی طرح ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: «دَعُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ».

ترجمہ: جب تک میں تم سے یکسو رہوں تم بھی مجھے چھوڑ دو (اور سوالات وغیرہ نہ کرو) کیونکہ تم سے پہلے کی امتیں اپنے غیر (ضروری سوال) اور انبیاء کے سامنے اختلاف کی وجہ سے تباہ ہو گئیں۔ جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو تم اس سے پرہیز کرو اور جب تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو اسے بجالاؤ جس حد تک تم میں طاقت ہو۔ متفق علیہ (۲)

سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «امراء اور حکمرانوں کے عیوب کی تشہیر کرنا اور منبر و محراب سے ان کی خامیوں کو ذکر کرنا سلف کا منہج نہیں ہے۔ یقینا

(۱) اسے امام احمد نے مسند احمد (۱۵۳۳۳) اور ان کے علاوہ دیگر ائمہ نے جن اسانید سے روایت کیا ہے وہ مجموعی طور پر «حسن» کے درجہ تک پہنچتی ہیں۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الجامع الكامل، باب مناصحة الحاكم باللين والحكمة والموعظة.

(۲) صحیح بخاری (۷۲۸۸)، صحیح مسلم (۱۳۳۷)۔

ایسا کرنے سے بگاڑ اور فساد پیدا ہوگا، لوگ بھلائی کے کاموں میں بھی امراء کی بات سنیں گے نہ ان کی اطاعت کریں گے، بلکہ ایسی چیزوں میں مشغول ہو جائیں گے جو سراپا نقصان دہ ہیں۔

سلف کے یہاں جو طریقہ چلا آرہا ہے وہ یہ کہ حاکم اور اس کی رعایا کے مابین خیر خواہی کا معاملہ ہو خیر کی طرف رہنمائی کے لیے کتابت ومراسلت اور ایسے علماء کا توسط اختیار کیا جائے جن کا اس سے گہرا ربط اور تعلق ہو»۔

رہا معاملہ امراء کو برا بھلا کہنا، ان کی عزتوں کو اچھالنا تو یہ سلف صالحین کا منہج نہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: انھوں نے فرمایا: ہمیں ہمارے کبار (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ) نے (امراء کو گالی گلوج کرنے سے) منع کرتے ہوئے فرمایا: اپنے حکمرانوں کو برا بھلا نہ کہو، نہ ان سے بغض رکھو اور نہ انہیں دھوکا دو، اللہ سے ڈرو اور صبر کرو، کیونکہ اللہ کا وعدہ قریب ہے۔(۱)

حاکموں کو برا بھلا کہنا اور ان کی عزتوں پر ڈاکہ ڈالنا (ایک نئی چیز تھی جس کا وجود صحابہ کے ابتدائی دور میں نہ تھا)، یہ حرکت سب سے پہلے ایک یہودی عبد اللہ بن سبا یمنی سے متعارف ہوئی، جس نے اسلام کا لبادہ اوڑھا، پھر مسلم ممالک جیسے حجاز، مصر، شام، کوفہ، بصرہ کا سفر کیا، اور ان ممالک میں لوگوں کو یہ کہہ کر (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف) بھڑکایا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خلافت چھینی اور بہت سارا مال غبن کیا ہے۔

لوگوں کے سامنے یہی ڈھنڈورا پیٹتا رہا کہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ

---

(۱) السنة لابن أبي عاصم (۱۰۱۵)۔

انجام دے رہا ہے، یہاں تک کہ اس کا نتیجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی صورت میں سامنے آیا، (پھر امت میں ایک ایسا فتنہ رونما ہوا) جس کا اثر آج تک باقی ہے۔

جو خنجر اس نے امت کے سینے میں گھونپ دیا تھا آج تک اسے نکالا نہ جاسکا۔

آج کل کے بعض صحافی حضرات اس فتنہ کی باریکیوں کو نہیں سمجھتے، اسی لیے وہ اس منافق یہودی سے متاثر ہو کر اپنی تحریروں میں مسلم حکمرانوں کے خلاف عموما اور امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خصوصا زہر اگلا کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے حکمرانوں کی اطاعت اور ان کے خلاف بغاوت سے باز رہنے کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے، بالخصوص جب مسلم حکمراں اور ان کی حکومت کے سرکردہ لوگ کتاب وسنت پر عمل کرنے اور سلف صالحین کے عقیدہ کو اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہوں، نماز کا حکم دیتے اور حدود کو نافذ کرتے ہوں، عوام کے درمیان عدل وانصاف اور ملک میں امن واستحکام کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوں۔ اس صورت میں تمام رعایا کو ان کی اطاعت، ان کی مدد اور ان کے حق میں استطاعت، توفیق اور درازی عمر کی دعا کرنی چاہیئے۔

سنت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

سنت کا لغوی معنی راستہ اور نمونہ کے ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ، شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتَّى لَوْ دَخَلُوا فِي جُحْرِ ضَبٍّ لَاتَّبَعْتُمُوهُمْ» قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ آلْيَهُودَ وَالنَّصَارَى؟ قَالَ: «فَمَنْ»؟

ترجمہ: تم ضرور ان لوگوں کے طریقوں پر بالشت بر بالشت اور ہاتھ بر ہاتھ چلتے جاؤ گے جو تم سے پہلے تھے، حتی کہ اگر وہ سانڈے کے بل میں گھسے تو تم بھی ان کے پیچھے گھسو گے۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا یہود و نصاری (کے پیچھے چلیں گے؟) تو آپ نے فرمایا: تو (اور) کن کے؟[1]

اور صحیح مسلم میں حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً، فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ».

ترجمہ: «جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کیا تو اسے اس کا اجر وثواب

(۱) صحیح بخاری (۳۴۵۶)، صحیح مسلم (۲۶۶۹) الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

حاصل ہو گا اور ان کے جیسا اجر بھی ملے گا جنھوں نے اس کے بعد اس طریقے پر عمل کیا، اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہو گی، اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقے کی ابتدا کی تو اس کا بوجھ اسی پر ہے اور ان کا بوجھ بھی، جنھوں نے اس کے بعد اس پر عمل کیا، برے طریقے پر عمل کرنے والوں کے بوجھ میں کوئی کمی نہیں ہو گی»۔ (۱)

اس حدیث میں سنت کو زندہ کرنے، اسے لوگوں کے درمیان پھیلانے، انھیں اس کی اتباع کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خبیب رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے ہر مسلمان مرد کے لیے (جسے ناحق سزائے موت دی گئی ہو) دو رکعتیں ادا کرنے کا رواج قائم کیا۔ (۲)

موطا امام مالک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیوں کے معاملہ میں فرمایا: «سُنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ».

ترجمہ: مجوسیوں سے (جزیہ وصول کرنے بابت) اہل کتاب کا طریقہ اپناؤ۔ (۳)

یعنی جس طرح تم یہود و نصاریٰ سے جزیہ وصول کرتے ہو، اسی طرح مجوسیوں سے بھی ٹیکس وصول کرو۔ (۴)

---

(۱) صحیح مسلم (۱۰۱۷)۔

(۲) صحیح بخاری (۴۰۸۶)۔

(۳) الموطأ: کتاب الزکاۃ (۴۳)۔

(۴) امام شافعی کہتے ہیں: مجوسی ان اہل کتاب کے جیسے ہیں جنہوں نے اصل تورات اور انجیل کو بدل =

صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «أَبْغَضُ النَّاسِ مُبْتَغٍ فِي الإِسْلَامِ سُنَّةَ الجَاهِلِيَّةِ».

ترجمہ: اسلام میں جاہلیت کا طور طریقہ تلاش کرنے والا شخص لوگوں میں سب سے بدتر اور مبغوض ہے۔ (۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: جب رسول اللہ ﷺ خیبر کی طرف نکلے تو آپ ﷺ کا گذر مشرکین کے ایک درخت سے ہوا، جو «ذات انواط» کے نام سے معروف تھا، وہ لوگ اس پر اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی ان مشرکوں کی طرح کوئی ذات انواط (درخت) متعین کر دیں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «سُبْحَانَ اللهِ هَذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى: ﴿ٱجْعَل لَّنَآ إِلَـٰهًا كَمَا لَهُمْ ءَالِهَةٌ﴾ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ».

ترجمہ: سبحان اللہ! یہ تو ایسے ہی ہے جیسے موسی علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ ان کے معبودوں کی طرح ہمارے لیے بھی کوئی معبود متعین کر دو، اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طور طریقوں پر چلوگے۔ (۲)

جامع ترمذی ہی میں منذر بن جریر بن عبد اللہ بجلی اپنے والد (جریر بن عبد اللہ) سے

کر انھیں بھلا دیا۔ نبی ﷺ نے ان سے جزیہ (ٹیکس) وصول کرنے کی اجازت دی ہے۔ أحكام القرآن للشافعي (ص ۲/ ۵۴)۔

(۱) صحیح بخاری: کتاب الدیات (۶۸۸۲)۔

(۲) جامع ترمذی (۲۱۸۰) امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث «حسن صحیح» ہے۔

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ سَنَّ سُنَّةَ خَيْرٍ فَاتُّبِعَ عَلَيْهَا فَلَهُ أَجْرُهُ وَمِثْلُ أُجُورِ مَنْ اتَّبَعَهُ غَيْرَ مَنْقُوصٍ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَمَنْ سَنَّ سُنَّةَ شَرٍّ فَاتُّبِعَ عَلَيْهَا كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهُ وَمِثْلُ أَوْزَارِ مَنْ اتَّبَعَهُ غَيْرَ مَنْقُوصٍ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا».

ترجمہ: جس نے کوئی خیر و بھلائی کا طریقہ ایجاد کیا، پھر اس پر لوگوں نے عمل کیا تو اسے اس کا اور اس عمل کو انجام دینے والوں کے اجر و ثواب جتنا ثواب حاصل ہو گا، اور اس کی اتباع کرنے والوں کے اجر و ثواب سے کچھ بھی کمی نہیں کی جائے گی، اور جس نے کوئی شر اور برائی کا طریقہ ایجاد کیا، پھر لوگوں نے اس کی پیروی کی تو اس پر اس کا اور پیروکاروں کے بوجھوں جیسا بوجھ اور گناہ ہو گا، اور اس پر عمل کرنے والوں کے بوجھ اور گناہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ (۱)

علاوہ ازیں اس باب میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں جو حدیث کی مختلف کتابوں جیسے جوامع، سنن اور مسانید میں موجود ہیں، ساری حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سنت کا لغوی معنی طریقہ اور راستہ ہے۔

محدثین کی اصطلاح میں سنت کا مفہوم:

نبی ﷺ کا قول و فعل، تقریر (آپ کی موجودگی میں وقوع پذیر کسی معاملہ میں آپ کا سکوت اختیار کرنا) آپ کے اوصاف، خواہ وہ پیدائشی ہوں یا اخلاقی، قبل از نبوت کے ہوں، یا اس کے بعد کے۔ ان میں سے جو چیز بھی آپ سے منقول ہو، وہ محدثین کے نزدیک «سنت» کہلاتی ہے۔

---

(۱) جامع ترمذی (۲۶۷۵)، سنن ابن ماجہ (۲۰۳) امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث «حسن صحیح» ہے۔

مثال کے طور پر: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان جسے امام ترمذی اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے: «لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِيلِ وَلاَ بِالقَصِيرِ شَثْنَ الكَفَّيْنِ وَالقَدَمَيْنِ، ضَخْمَ الرَّأْسِ، ضَخْمَ الكَرَادِيسِ طَوِيلَ الْـمَسْرُبَةِ، إِذَا مَشَى تَكَفَّأَ تَكَفُّؤًا كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلاَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ».

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ چھوٹے قد کے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم (قدرے چھوٹی) مگر سخت ہتھیلیوں اور ٹھوس قدموں والے، بڑے سر اور مضبوط جوڑوں والے اور سینے سے ناف تک بالوں والے تھے، جب چلتے تو ایسے قدم جما کر چلتے کہ گویا کسی جگہ سے اتر رہے ہوں، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور بعد کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہیں دیکھا۔[1]

اسی طرح صحیح مسلم کی ایک حدیث حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں:

«مَا رَأَيْتُ مِنْ ذِي لِـمَّةٍ أَحْسَنَ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، شَعْرُهُ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْـمَنْكِبَيْنِ، لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ».

ترجمہ: میں نے کسی سرخ دھاری دار جبہ میں ملبوس شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر خوبصورت نہیں پایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم لمبی زلفوں والے، کندھوں تک بال رکھتے تھے،

---

(۱) جامع ترمذی (۳۶۳۷)، امام حاکم نے مستدرک (۲/۶۰۶) میں اسے صحیح کہا ہے اور امام ترمذی نے «حسن صحیح» کہا ہے۔

سینہ چوڑا تھا، نہ زیادہ لمبے اور نہ پست قد تھے۔[1]

محدثین نے نبی ﷺ کے حلیہ مبارک اور آپ کی صفات کو حدیث کی کتابوں جیسے جوامع اور سنن وغیرہ میں جمع کرنے کا اہتمام کیا، اسی طرح شمائل نبویہ کے نام کچھ مخصوص کتابیں لکھیں جن میں «شمائل الترمذی» کافی مشہور رہے۔

فقہاء اور اصولیوں کے نزدیک سنت کا معنی و مفہوم:

فقہاء اور اہل اصول کے یہاں سنت کا اطلاق نبی ﷺ کے قول وفعل اور تقریر پر ہوتا ہے، کیونکہ ان کی زیادہ تر توجہ اوامر ونواہی پر مرکوز ہوتی ہے تاکہ وہ ان سے فقہی مسائل کا استنباط کر سکیں، یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کے اوصاف واخلاق نیز آپ کی سیرت مبارکہ ان کے دائرہ تحقیق سے باہر ہیں۔

سنت کا یہ مفہوم بھی شریعت کی جانب سے مطلوب و مقصود ہے اور امت کو اس کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ سنت اسلامی قانون سازی کا ایک اہم مصدر ہے، وہ کتاب اللہ کی تشریح و تفسیر نیز اس کے عموم کو خاص کرتی ہے۔

قرآن کریم چونکہ ایک چیلنج مگر اجمال کے اسلوب میں نازل ہوا ہے، اس لئے اللہ تعالی کی حکمت عالیہ کا تقاضا تھا کہ وہ اپنی کتاب کی تفسیر و توضیح کے لئے کسی ایسے شخص کو رسول بنا کر بھیجے جو اپنے قول وفعل اور تقریر سے قرآن کریم کی تفسیر کرے اور اس کی مراد واضح کرے تاکہ بندوں پر حجت قائم ہو جائے۔

---

(۱) صحیح مسلم (۲۳۳۷)۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿هُوَ ٱلَّذِى بَعَثَ فِى ٱلْأُمِّيِّـۧنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْهِمْ ءَايَـٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَـٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ﴾ [الجمعة: ۲].

ترجمہ: وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «دَعُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ».

ترجمہ: جب تک میں تم سے یکسو رہوں تم بھی مجھے چھوڑ دو (اور سوالات وغیرہ نہ کرو) کیونکہ تم سے پہلے کی امتیں اپنے غیر (ضروری سوال) اور انبیاء کے سامنے اختلاف کی وجہ سے تباہ ہو گئیں۔ جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو تم بھی اس سے پرہیز کرو اور جب تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو بجالاؤ جس حد تک تم میں طاقت ہو۔[۱]

سنن نسائی میں نضر بن شیبان سے روایت ہے کہتے ہیں: میں نے ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف سے کہا کہ مجھے رمضان سے متعلق کوئی ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے اپنے والد اور آپ کے والد نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ سنا ہو۔ تو آپ نے فرمایا: جی ہاں۔ میرے والد نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

(۱) صحیح بخاری (۷۲۸۸)، صحیح مسلم (۱۳۳۷) الفاظ بخاری کے ہیں۔

فرمایا: «إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فَرَضَ صِيَامَ رَمَضَانَ عَلَيْكُمْ وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ، فَمَنْ صَامَهُ وَقَامَهُ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ».

ترجمہ: بے شک اللہ تعالی نے تم پر رمضان المبارک کے روزے فرض کئے ہیں اور میں نے اس کا قیام تمہارے لئے سنت قرار دیا ہے۔ لہذا جو ایمان کی حالت میں اجر وثواب کی امید کرتے ہوئے رمضان کے روزے اور اس کا قیام کرے گا تو وہ گناہوں سے ایسے ہی پاک وصاف ہو جائے گا جیسے اپنی ولادت کے دن بے گناہ تھا۔ (۱)

صحیح بخاری اور مسند احمد میں حضرت عبد اللہ مزنی سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ»، ثُمَّ قَالَ: «صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ»، ثُمَّ قَالَ عِنْدَ الثَّالِثَةِ: «لِمَنْ شَاءَ» كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً».

ترجمہ: مغرب سے پہلے دو رکعات نماز پڑھو، پھر کہا: مغرب سے قبل دو رکعات پڑھو، پھر تیسری مرتبہ فرمایا: جو چاہے پڑھ لے۔

راوی حدیث کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (لمن شاء) اس لیے فرمایا کہ کہیں لوگ اسے سنت اور طریقہ نہ بنالیں۔ (۲)

(۱) سنن نسائی (۲۲۱۰)، سنن ابن ماجہ (۱۳۲۸) امام نسائی کہتے ہیں کہ نضر بن شیبان کے بارے میں امام یحی بن معین نے کہا ہے: ليس حديثه بشيء اور تقريب التهذيب میں ہے: لين الحديث۔

(۲) صحیح بخاری (۱۱۸۳)، مسند احمد (۲۰۵۵۲) الفاظ امام احمد کے ہیں۔

قرآن وحدیث میں آپسی ربط و تعلق:

سنت کا قرآن سے گہرا ربط اور تعلق ہے جو تین قسموں پر مشتمل ہے:

۱- اجمالی طور پر سنت قرآن کی تائید کرتی نیز اس کے احکام ومسائل کے موافق ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر وہ حدیثیں جو نماز قائم کرنے، زکوۃ ادا کرنے، روزہ رکھنے اور حج کرنے کی فرضیت کا ان کے ارکان، احکام ومسائل کی تفصیل پیش کئے بغیر فائدہ دیتی ہے۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ الْإِسْلَامَ بُنِيَ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصِيَامِ رَمَضَانَ، وَحَجِّ الْبَيْتِ».

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے:

۱- اس بات کی گواہی دی جائے کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔

۲- نماز قائم کرنا۔

۳- زکوۃ ادا کرنا۔

۴- رمضان کے روزے رکھنا۔

۵- اور بیت اللہ کا حج کرنا۔[1]

مذکورہ حدیث اللہ تعالی کے درج ذیل فرمان کے موافق ہے:

﴿وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ﴾ [البقرة: ١١٠].

---

(۱) صحیح بخاری (۸)، صحیح مسلم (۲۲)۔

ترجمہ: تم نمازیں قائم رکھو اور زکوۃ دیتے رہا کرو۔

﴿وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ [آل عمران: ۹۷].

ترجمہ: اللہ تعالی نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پاسکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے۔

اسی طرح نبی ﷺ کا فرمان:

«لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَأْخُذَ عَصَا أَخِيهِ بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسِهِ».

ترجمہ: کسی بھی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کا مال اس کی مرضی کے بغیر اٹھائے۔(۱)

اللہ تعالی کے اس ارشاد کے موافق ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ﴾ [النساء: ۲۹].

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ مگر یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے خرید وفروخت ہو۔

۲- سنت قرآن کے احکام کی اس کے اجمال کی وضاحت یا اس کے عموم کو خاص کر کے یا اس کے مطلق کو مقید کر کے تفسیر و تشریح کرتی ہے۔

مثال کے طور پر وہ احادیث جو نماز، زکوۃ، روزے، حج، خرید وفروخت اور نکاح وغیرہ کے احکام ومسائل کی تفصیل بیان کرتی ہیں۔

---

(۱) اس حدیث کو امام احمد نے مسند احمد (۲۳۶۰۵) میں بسند صحیح روایت کیا ہے۔

نبی ﷺ کی سنت کا ایک بڑا حصہ اسی قسم پر مشتمل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیارے نبی ﷺ کو قرآن کی تفسیر کرنے اور اس کے احکام کو نافذ کرنے والا بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

۳- سنت ایسے مسئلے پر دلالت کرتی ہے کہ جن پر قرآن نے سکوت اختیار کیا ہو، نہ اس کا اثبات کیا ہو اور نہ ہی انکار۔

مثال کے طور پر وہ حدیثیں جو آدمی کا اپنی بیوی کی پھوپھی یا خالہ میں سے کسی ایک کو عقد نکاح میں جمع کرنے کی حرمت، شفعہ (حق جوار) کے احکام ومسائل، گھریلو گدھے کے گوشت کی حرمت اور دادی کے وراثت میں حقدار ہونے کے جواز وغیرہ پر دلالت کرتی ہیں۔

سنت کی تحقیق اور اس پر عمل پیرا ہونے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین اسلام کی وہ پہلی جماعت ہے جن کی تربیت کی بنیاد پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلی اخلاق و کردار پر رکھی، جس سے ان کے دل چشمہ صافی کی طرح صاف و شفاف ہوئے۔

صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رہنما اور مرشد و مربی کی حیثیت سے دیکھا کرتے تھے۔

اعتقاد، عبادات اور معاملات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے انھیں ضلالت و تاریکی سے نکال کر رشد و ہدایت کی روشنی میں لا کھڑا کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اپنے اختلافات کو مٹانے اور جھگڑوں کو ختم کرنے کے لیے وہ دربار نبوی کا قصد کرتے، اسی طرح اچانک پیش آنے والے نت نئے مسائل (جن کا ذکر قرآن میں نہ آیا ہو) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی قرآن کی تفسیر اور شریعت کے مقاصد کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے جیسا کہ خود ہی آپ نے اس بات کی صراحت کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنِّي أَتْقَاكُمْ لله، وَأَعْلَمُكُمْ بِحُدُودِهِ».

ترجمہ: میں تم میں سب زیادہ اللہ کا خوف رکھنے والا اور اس کے حدود و قیود کو تم سے

زیادہ جاننے والا ہوں۔

آپ ﷺ نے یہ الفاظ اس وقت کہے تھے جب آپ کو ایک شخص کی یہ بات معلوم ہوئی کہ میں تو رسول اللہ ﷺ کی طرح نہیں ہوں، اللہ تعالی جو چاہے اپنے رسول کے لئے حلال کر دے۔

واقعہ یوں ہے کہ اس آدمی نے اپنی اہلیہ کو ازواج مطہرات کے پاس بھیجا کہ روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینے کے حکم کے متعلق دریافت کرے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اسے بتایا کہ نبی ﷺ بسا اوقات روزے کی حالت میں بوسا لیا کرتے تھے۔[1]

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں:

بنو امیہ بن زید قبیلہ میں میرا ایک انصاری پڑوسی تھا، وہ مدینہ کے عوالی کا رہنے والا تھا۔ ہم نے آپس میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہونے کی باری مقرر کر رکھی تھی۔ چنانچہ ایک دن وہ آپ ﷺ کی مجلس میں شرکت کرتا تو دوسرے دن میں دربار نبوت میں حاضری دیتا۔

واپسی پر ہم ایک دوسرے کو نبی ﷺ پر نازل ہونے والی وحی اور دیگر ارشاد کردہ مسائل سے آگاہ کرتے۔[2]

صحابہ کرام میں ایسے لوگ بھی تھے جو محض ایک شرعی مسئلہ میں سوال کرنے کے لیے دور دراز کا سفر طے کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

---

(۱) اسے امام شافعی نے الرسالۃ (۴۰۴) اور امام احمد نے اپنی مسند (۲۶۵۶۲) میں روایت کیا ہے۔ اصل واقعہ صحیح بخاری (۳۲۲) میں مختصر جبکہ صحیح مسلم (۱۱۰۸) میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

(۲) متفق علیہ: صحیح بخاری (۸۹) صحیح مسلم (۳۴: ۱۴۷۹)۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھیں ایک عورت نے بتلایا کہ اس نے تمہیں اور تمہاری بیوی کو دودھ پلایا ہے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ مکہ میں تھے جب یہ بات سنی تو فورا مدینہ کی طرف سفر کرنے کا قصد کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر یہ عرض کیا کہ اس شخص کے بارے میں اللہ تعالی کا کیا حکم ہے جس نے لاعلمی میں اپنی رضاعی بہن سے شادی کرلی ہو؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ؟».

جب بتایا جاچکا تو استفسار کیسا؟

چنانچہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے فورا اپنی بیوی سے جدائی اختیار کرلی، پھر اس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا۔[۱]

صحابہ کرام اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کی اطاعت کرتے، چنانچہ وہ آپ کے اوامر کو بجالاتے اور منع کردہ امور سے باز رہتے۔

اطاعت وفرمانبرداری کی یہ کیفیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی ان میں مسلسل برقرار رہی۔

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آپ کی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فرض تھی بالکل اسی طرح آپ کی وفات کے بعد سنت رسول کی اطاعت صحابہ کرام اور ان کے بعد کے تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔ کیونکہ قرآن واحادیث کی وہ نصوص جو

---

(۱) صحیح بخاری (۸۸)۔

آپ ﷺ کی اطاعت کو واجب قرار دیتے ہیں، وہ عام ہیں۔

نبی ﷺ نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ».

ترجمہ: میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم ان کو تھامے رکھو گے ہر گز گمراہ نہ ہو گے۔ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے۔[1]

اسی طرح امام بخاری نے صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ، إِلاَّ مَنْ أَبَى. قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَنْ يَأْبَى قَالَ: «مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى».

ترجمہ: میری امت کا ایک ایک فرد جنت میں جائے گا سوائے اس کے جس نے جنت میں جانے سے انکار کیا۔ صحابہ نے پوچھا کہ اللہ کے رسول! بھلا جنت میں جانے سے کون انکار کر سکتا ہے؟ فرمایا: جو میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہو گا اور جو میری نافرمانی کرے گا گویا اس نے جنت میں جانے سے انکار کر دیا۔[2]

اس کے علاوہ امام بیہقی رحمہ اللہ «المدخل الکبیر» میں اپنی سند سے حبیب بن ابی فضالہ مکی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے

---

(۱) اس حدیث کو امام مالک رحمہ اللہ نے موطا: کتاب القدر میں بلاغا (بالواسطہ) روایت کیا ہے۔
اس حدیث کے کئی شواہد ہیں جنہیں میں نے «الجامع الکامل» کے «کتاب الاعتصام بالقرآن والسنۃ» میں ذکر کیا ہے۔

(۲) صحیح بخاری (۷۲۸۰)۔

شفاعت کا تذکرہ فرمایا تو لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: اے ابو نجید! آپ ہمیں ایسی حدیثیں بتاتے ہیں جن کی اصل ہم قرآن میں نہیں پاتے۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا۔ اس آدمی سے کہا: کیا تم نے قرآن پڑھا بھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم قرآن میں فجر کی دو رکعات، ظہر اور عصر کی چار چار رکعتیں، مغرب کی تین رکعات اور عشاء کی چار رکعات پاتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے کہا: پھر تم نے یہ بات کیسے معلوم کی؟ بھلا تم نے ہم سے اور ہم نے بلاواسطہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سیکھا؟

پھر سوال کیا: کیا تم قرآن میں یہ پاتے ہو کہ ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری برائے زکوۃ واجب ہے؟ اسی طرح اونٹ اور درہم کا نصاب قرآن میں ہے؟ کہا: نہیں۔ فرمایا: پھر یہ نصاب تم نے کس سے سیکھا؟ کیا تم نے ہم سے اور ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں معلوم کیا؟ تم قرآن میں یہ آیت پڑھتے ہو:

﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوا۟ تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا۟ نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا۟ بِٱلْبَيْتِ ٱلْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ ﴾ [الحج: ٢٩].

ترجمہ: پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں۔

کیا تم نے قرآن میں یہ پایا کہ طواف کے سات چکر لگاؤ، مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعتیں پڑھو؟

کیا تم قرآن میں یہ پاتے ہو کہ اسلام میں مال زکوۃ کو ایسی جگہ طلب کرنا جہاں زکوۃ کا عامل ڈیرہ ڈالے ہو تا کہ اس میں زکوۃ وصول کرلیں، جائز نہیں۔ اسی طرح نکاح شغار (بغیر مہر کے نکاح کرنا) درست نہیں۔

کیا تم نے اللہ تعالی کا یہ فرمان نہیں سنا؟

﴿وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ﴾ [الحشر: ٧].

ترجمہ: اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ۔

پھر حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی چیزیں سیکھی ہیں جن کا تمہیں علم نہیں۔ (١)

امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی اس واقعہ کو روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ اس آدمی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ تعالی آپ کی عمر لمبی کرے آپ نے مجھے علمی طور پر زندہ کیا۔

امام حسن بصری فرماتے ہیں: وہ آدمی (سائل) اپنی زندگی ہی میں امت کے بڑے فقہاء میں شمار کیا جانے لگا۔ (٢)

---

(١) یہ حدیث «المدخل الکبیر» کے مفقود جزء میں مذکور ہے اس لئے میں نے اسے تحقیق شدہ جزء میں شامل نہیں کیا۔

امام ابو داود نے اسے اپنی سنن (١٥٦١) میں اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں حبیب بن ابی فضالہ اور ان سے روایت کرنے والے صرد بن ابو منازل دو ایسے راوی ہیں جن کی صرف امام ابن حبان ہی نے کتاب الثقات (٤/١٣٨)، (٦/٤٧٨) میں توثیق کی ہے، لیکن مستدرک حاکم (١/١٠٩) میں ان کی متابعات موجود ہیں۔

(٢) امام حاکم نے مستدرک (١/١٠٩) میں اپنی سند سے حضرت عقبہ بن خالد سے روایت کیا ہے: وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حسن بصری رحمہ اللہ نے بتایا کہ ایک مرتبہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص نے ان سے کہا...

اس کی سند میں عقبہ بن خالد ہے جن کا شمار بصرہ کے ثقہ راویوں میں ہوتا ہے۔ یہ عزیز الحدیث ہیں جن سے دس سے بھی کم حدیثیں مروی ہیں۔

بعض صحابہ کرام بسا اوقات نبی ﷺ سے سنی ہوئی حدیث کی تحقیق کے لئے دور دراز کا سفر طے کرتے تاکہ اس کی روایت میں ان سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ (مدینہ سے) ایک حدیث کی تحقیق کی غرض سے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی طرف (مصر کے) سفر کے لئے نکلے جسے حضرت ابو ایوب اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ نبی ﷺ سے سننے والوں میں کوئی باقی نہیں رہا تھا۔ جب ابو ایوب رضی اللہ عنہ مصر پہنچے تو امیر مصر مسلمہ بن مخلد انصاری کے گھر قیام فرمایا۔

حضرت مسلمہ کو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہما کے آمد کی خبر پہنچی تو وہ دوڑے دوڑے حضرت ابو ایوب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے معانقہ (گلے لگنا) کیا۔

پھر پوچھا: بتایئے کس طرح آنا ہوا؟ حضرت ابو ایوب نے فرمایا: ایک حدیث کی تحقیق کے سلسلے میں جو میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنی ہے اور آج اس حدیث کے سننے والوں میں میرے اور حضرت عقبہ کے علاوہ کوئی باحیات نہیں ہے۔ میرے ساتھ کسی ایسے آدمی کو بھیجے جو میری حضرت عقبہ کے گھر تک رہنمائی کرے۔ راوی کہتے ہیں: حضرت مسلمہ نے ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک شخص کو روانہ کیا جو آپ کو حضرت عقبہ کے گھر تک لے جائے۔ جب حضرت عقبہ کو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے آمد کی خبر ملی تو وہ جلدی جلدی آپ کے استقبال کے لئے نکل پڑے۔ پوچھا: بتایئے کس سلسلے میں آنا ہوا؟ فرمایا: مومن کی ستر پوشی سے متعلق ایک حدیث کے بارے میں تحقیق کرنے کے لئے آیا ہوں جسے میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سماعت کیا ہے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ سے اس حدیث کو سننے والوں میں میرے اور آپ کے علاوہ کوئی باحیات نہیں ہے۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں! میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے

ہوئے سنا ہے:

«مَنْ سَتَرَ مُؤْمِنًا فِي الدُّنْيَا عَلَى خَزْيَةٍ سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ».

ترجمہ: جس نے دنیا میں کسی مومن کے عیوب پر پردہ پوشی کی تو اللہ تعالی کل قیامت کے دن اس کے گناہوں پر پردہ ڈالیں گے۔

حضرت ابو ایوب نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔ پھر اپنی سواری کا رخ کیا اور اس پر سوار ہو کر مدینہ لوٹ گئے۔ (١)

---

(١) معرفة علوم الحديث (ص ٨)، الجامع لأخلاق الراوي والسامع (١٦٨٧)
امام احمد نے اس واقعہ کو مسند احمد (١٧٣٩١) میں اختصار کے ساتھ حضرت سفیان سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن جریج نے کہا: میں نے ابو سعید کو حضرت عطاء سے یہ روایت کرتے ہوئے سنا کہ وہ کہتے ہیں: ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی طرف رخت سفر باندھا۔ پھر انھوں نے مکمل قصہ نقل کیا۔
ابو سعید مکی اگرچہ مجہول ہیں مگر یہ حدیث محدثین کے یہاں حدیث کی سماعت کے لئے سفر کرنے بابت مشہور ہے۔ اس کی مفصل تحقیق و تخریج کے لئے ملاحظہ ہو: الجامع الكامل، كتاب العلم، باب الرحلة في طلب العلم.
اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ اس وقت ان کے اور حضرت عقبہ کے علاوہ مذکورہ حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کرنے میں کوئی باحیات نہیں رہا، یہ بات انھوں نے حسب اطلاع کہی ہے وگرنہ اس حدیث کو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا جیسا کہ صحیح بخاری (٢٤٤٢) اور صحیح مسلم (٢٥٨٠) میں ہے۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسے سماعت کیا تھا جیسا کہ صحیح مسلم (٢٦٩٩) میں ہے۔
ان دونوں کے علاوہ دیگر صحابہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے جس کی تخریج «الجامع الکامل» کے مختلف ابواب میں کی گئی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں میں سب سے زیادہ حدیث پر عمل کرنے کے حریص تھے۔ صحیح بخاری کی ایک طویل حدیث میں ان کا یہ فرمان منقول ہے:

«لَسْتُ تَارِكًا شَيْئًا كَانَ رَسُولُ الله ﷺ يَعْمَلُ بِهِ إِلاَّ عَمِلْتُ بِهِ، فَإِنِّى أَخْشَى إِنْ تَرَكْتُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِهِ أَنْ أَزِيغَ».

ترجمہ: میں رسول اللہ ﷺ کے اعمال میں سے کوئی چیز چھوڑنے والا نہیں ہوں، کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے نبی ﷺ کا کوئی حکم چھوڑ دیا تو گمراہ ہو جاؤں۔(۱)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پیش آنے والے نئے مسائل میں نبی ﷺ کی حدیث کے متعلق صحابہ سے سوال کیا کرتے تھے۔

چنانچہ امام ابو داود اپنی سنن اور امام ترمذی جامع ترمذی میں ابن شہاب زہری سے، انھوں نے قبیصہ بن ذؤیب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس کسی شخص کی دادی تشریف لائی اور ان سے وراثت میں اپنے حصہ کا مطالبہ کرنے لگی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ میں قرآن میں تمہارے لئے کچھ نہیں پاتا، البتہ رسول اللہ ﷺ کی سنت میں مجھے اس بارے میں کچھ علم نہیں، آپ دوبارہ تشریف لائیں جب تک یہ مسئلہ میں صحابہ سے پوچھتا ہوں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب صحابہ سے مذکورہ مسئلہ سے متعلق سوال کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے دادی کو وراثت میں چھٹا حصہ دیا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری (۳۰۹۳)۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ کے علاوہ کوئی اور شخص بھی ہے جس نے یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کی ہو؟ تو حضرت محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے وہی بات کہی جو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کہی تھی، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس حکم کو اس بوڑھی عورت پر نافذ کر دیا۔(۱)

گویا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے قول پر گواہی طلب کر کے دین کے اصول میں ایک اصل کو قائم کیا ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تحقیق اور اس میں احتیاط برتنے کا پہلو ہے۔

اس قسم کی جانچ پڑتال اور بحث و تحقیق سے ایک نئے علم یعنی علم جرح وتعدیل کا ظہور ہوا، پھر یہی علم صحیح وضعیف حدیث کی پہچان کے لئے ایک کسوٹی کی صورت اختیار کر گیا۔

امام مالک بن انس فرماتے ہیں: بے شک یہ علم دین ہے، لہذا تم دیکھو کہ اپنا علم کس سے حاصل کر رہے ہو؟ میں نے مسجد نبوی کے انہی ستونوں کے پاس تقریبا ستر کے قریب لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا: حدثنی فلان، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر میں نے ان سے کوئی روایت نہیں لی کیونکہ وہ اس کے اہل نہیں تھے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی بیت المال کا محافظ بنایا جاتا تو بلاشبہ وہ امین ثابت ہوتا، اور جب امام ابن شہاب ہمارے یہاں تشریف لاتے تو ہم ان کے دروازے پر امڈ پڑتے۔(۲)

اور فرمایا: چار قسم کے لوگوں سے علم حاصل نہیں کیا جاتا:

---

(۱) سنن ابو داود (۲۸۹۶)، جامع ترمذی (۲۱۰۰) امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث «حسن صحیح» ہے۔
(۲) التمہید (۱/۶۷)۔

١- وہ بے وقوف جو اپنی بے وقوفی پر ناز کرتا ہو، گرچہ سب سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے والا کیوں نہ ہو۔

٢- وہ شخص جو آپسی بول چال میں جھوٹ کا سہارا لے اگرچہ تم اس پر وضع حدیث کا الزام نہ لگاؤ۔

٣- بدعتی جو لوگوں کو اپنی بدعتوں کی طرف دعوت دے۔

٤- عابد وزاہد شخص جو نہیں جانتا کہ وہ کیا بیان کر رہا ہے؟[١]

حماد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم انس بن سیرین کی تیمار داری کے لئے ان کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے فرمایا: اے نوجوانوں! اللہ تعالی سے ڈرو، حدیثیں تمہارا دین ہے لہذا تم یہ دیکھو کہ اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو؟[٢]

امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں اپنی سند سے عاصم احول سے، انھوں نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ لوگ اسناد کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے، جب فتنہ واقع ہوا تو لوگوں نے کہنا شروع کیا: حدیث بیان کرنے والے راویوں کے نام بتاؤ، دیکھا جاتا اگر راوی اہل سنت میں سے ہوتا تو اس کی حدیث قابل قبول ہوتی، اگر وہ بدعتی ہوتا تو اس کی حدیث نہیں لی جاتی۔[٣]

دوسری روایت جسے حافظ ابن اثیر رحمہ اللہ نے «جامع الاصول» کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ: ابن سیرین نے فرمایا: پہلے زمانے میں لوگ اسناد کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے، پھر جب فتنہ وفساد کا ظہور ہوا تو سند کے متعلق پوچھنے لگے تاکہ اہل

---

(١) الجرح والتعديل (٢/ ٣٢)۔

(٢) المحدث الفاصل (ص ٤١٥)۔

(٣) مقدمہ صحیح مسلم (٢٧)۔

سنت کی حدیثوں کو قبول کیا جائے اور اہل بدعت کی حدیثوں کو رد کیا جائے، اس وقت لوگ قوی حافظہ اور پختہ یادداشت کے مالک تھے۔ یادرہے کہ بعض لوگ اپنی نیکی وتقوی کے باوجود کسی کے گواہ نہیں بنائے جاتے تھے اور نہ ہی وہ حدیثیں یادرکھ سکتے تھے۔ (١)

حافظ ابن عبد البر اپنی کتاب «**التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد**» کے مقدمہ میں امام شعبہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ہم حدیث کے صحیح ہونے کا علم اس کی اسناد کے صحیح ہونے سے معلوم کرلیتے تھے۔

ابن عبد البر ہی نے اپنی سند سے امام اوزاعی رحمہ اللہ سے (جو ملک شام کے رہنے والے تھے) نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: علمِ اسناد کے ختم ہونے سے علم ختم ہو جائے گا۔

امام خطیب بغدادی اپنی کتاب «**الكفاية في علم الرواية**» میں سفیان بن عیینہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے کسی بھائی نے ان سے کہا کہ بغیر اسناد کے لوگوں کو حدیثیں بیان کیا کرو تو حضرت سفیان نے کہا: انھیں دیکھئے یہ مجھے حکم دے رہے ہیں کہ بغیر سیڑھی کے گھر کی چھت پر چڑھ جاؤں!

قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ کس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے علم حدیث کی بنیاد رکھی، تاکہ کوئی اللہ اور اس کے رسول کی جانب خودساختہ باتیں منسوب نہ کرے۔

محدثین نے راویان حدیث کی تاریخ ولادت اور وفات کو اپنی کتابوں میں محفوظ کرنے کا اہتمام کیا تاکہ ان کی حالات زندگی، اپنے شیوخ سے ملاقات نیز دعوی سماع کی حقیقت معلوم ہوسکے۔

---

(١) مقدمہ جامع الاصول (١/١٣١)۔

محدثین نے اس بات کو بھی اپنی کتابوں میں محفوظ کیا ہے کہ حصول علم کے لئے راوی کس کس ملک اور شہر میں داخل ہوا؟ ان کی اس تحقیقی جستجو سے ایسی کتابوں کا ظہور ہوا جو راویوں کی تاریخ ولادت اور وفات پر مشتمل ہیں۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی کتاب «الکفایة» میں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول اسی جانب اشارہ کرتا ہے: «جب راویوں نے جھوٹ بولنا شروع کیا تو ہم نے ان کے جھوٹ کے انکشاف کے لئے تاریخ کا سہارا لیا»۔ (۱)

حفص بن غیاث کہتے ہیں: جب تمھیں کسی راوی پر اس کے جھوٹے ہونے کا شک ہو تو دو عمروں سے اس کا محاسبہ کرو۔ یعنی اس کی اور اس کے شیخ کی عمر معلوم کرکے اس کا محاسبہ کرو۔ (۲)

امام ابن جوزی اپنی کتاب «الموضوعات» کے مقدمہ میں حسان بن زید کا قول ذکر کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: جھوٹے راویوں کے خلاف تاریخ سے زیادہ کوئی اور چیز کارگر ثابت نہ ہوئی۔ راوی سے پوچھا جاتا: کس سن میں آپ کی ولادت ہوئی ہے؟ جب وہ اپنی تاریخ پیدائش کا اقرار کرتا ہے تو اس کا جھوٹ اور سچ واضح ہوتا ہے۔ (۳)

امام ابو عبد اللہ حاکم کہتے ہیں: ہمارے پاس محمد بن حاتم الکشی آئے جو عبد بن حمید سے روایت کیا کرتے تھے تو میں نے ان سے ان کی تاریخ ولادت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے ذکر کیا کہ ان کی ولادت ۲۶۰ھ میں ہوئی ہے۔ تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: انھوں

---

(۱) الکفایة (ص۱۱۹)۔

(۲) حوالہ سابقہ۔

(۳) تاریخ بغداد بھی ملاحظہ ہو: (۷/۳۵۷)۔

نے عبد بن حمید سے ان کی وفات کے تیرہ سال بعد حدیث سماعت فرمائی ہے۔[1]

اس طرح محدثین کرام نے اس عظیم فن (علم جرح وتعدیل) کے ذریعے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حدیثوں کو جھوٹ کی آمیزش سے محفوظ رکھا۔

اس لئے متلاشی حق کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح احادیث پر عمل کرنے کا حریص بنے، اگر کوئی حدیث ائمہ محدثین کے بنائے ہوئے معیار واصول پر صحیح ثابت ہوتی ہو تو دل وجان سے اسے قبول کرے، بے جا شبہات پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے اور نہ خواہشات کا پیروکار بنے خواہ اس حدیث کا تعلق عقائد سے ہو یا معاملات سے۔ اگر وہ ثابت ہو جائے اور اہل معرفت وعلم کی طرف سے اسے سند قبولیت حاصل ہو جائے تو پھر بے جا اور لایعنی قسم کے سوالات سے پرہیز کرے۔ یاد رہے کہ اہل معرفت سے مراد وہ محدثین ہیں جن کو فہم حدیث اور اس کی شرح کا ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ محدث کی مثال ایک تجربہ کار اور صاحب فہم وبصیرت صراف جیسی ہے جو کھرے اور کھوٹے سکوں کی معرفت رکھتا ہے۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم حدیثیں سن کر انھیں اپنے ساتھیوں پر پیش کرتے تھے، جس طرح کے چھوٹے درہموں کو صرافوں کے یہاں لایا جاتا ہے۔ چنانچہ جن احادیث کو وہ پہچان لیتے انہیں ہم محفوظ کر لیتے اور جن کا انکار کر دیتے انہیں ہم چھوڑ دیتے۔

کتاب وسنت کے واضح شرعی دلائل اور اجماع امت سے ثابت شدہ دینی امور میں علمی تحقیق وتدقیق کے نام پر اختلاف پیدا کرنا جائز نہیں، بلکہ ان دلائل پر ایمان لانا اور

---

(١) فتح المغیث (٣/ ٢٨٢)، الموضوعات (١/ ٣٧)۔

ان کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، نیز شرعی نصوص کا فہم سلف صالحین کے اقوال اور ان کی تفسیر وشروحات سے استفادہ کئے بغیر ناممکن ہے۔

فرمان باری تعالی ہے:

﴿ وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلۡهُدَىٰ وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصۡلِهِۦ جَهَنَّمَۖ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا ﴾ [النساء: ١١٥].

ترجمہ: جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول ﷺ کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا اسے اور دوزخ میں ڈال دیں گے۔

واضح رہے کہ علمی تحقیق ان مسائل میں ہونی چاہئے جن کے دلائل کتاب وسنت سے واضح نہ ہوں، اور ان میں اجتہاد کی کوئی گنجائش موجود ہو، پھر اگر مجتہد کا اجتہاد صحیح نکل آئے تو اسے دوگنا اجر ہے، اور اگر اجتہاد میں اس سے غلطی ہو جائے تو اسے ایک اجر ملے گا۔

خلاصہ کلام یہ کہ جو شخص قرآن کے واضح نصوص، مشہور صحیح احادیث اور سلف کے اجماع کی مخالفت کرے گا تو اس کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے ساتھ اہل بدعت جیسا سلوک کیا جائے گا۔

کتب احادیث کی دو بنیادی قسمیں

حدیث کی کتابیں درج ذیل دو قسموں پر مشتمل ہیں:

۱- سند
۲- متن

سند کی تعریف:

متن تک پہنچانے والا وہ راستہ جو زمانہ روایت کے کسی مصنف سے شروع ہو کر نبی ﷺ کے فرمان تک پہنچے۔

متن کی تعریف:

نبی ﷺ کی زبان مبارک سے صادر ہونے والے الفاظ یا ان کے معانی کو ((متن)) کہتے ہیں۔

خالص متون (احادیث) کی کل تعداد ۴۰ ہزار کے قریب ہیں، اس سے زیادہ نہیں۔

(کہا جاتا ہے کہ) امام بخاری نے اپنی صحیح کو ۶ لاکھ مسموع احادیث سے منتخب کیا جبکہ امام مسلم نے اپنی صحیح کو ۳ لاکھ حدیثوں سے، یہاں احادیث سے مراد اسانید، ایک ہی حدیث میں وارد شدہ زائد الفاظ، صحابہ کے فرامین اور تابعین کے اقوال بھی داخل ہیں۔

امام ابو زرعہ رازی نے عبد اللہ بن احمد سے کہا: آپ کے والد (امام احمد) ۱۰ لاکھ

حدیثوں کے حافظ تھے۔ لوگوں نے ابو زرعہ رازی سے پوچھا کہ آپ کو کیسے پتہ چلا؟ فرمایا: میں نے ان سے احادیث کا مذاکرہ کیا ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ اس واقعہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ حکایت بالکل درست ہے جو کہ امام احمد بن حنبل کے علمی مقام و مرتبہ پر دلالت کرتی ہے، البتہ امام ابوزرعہ کے قول میں ذکر شدہ حدیثوں میں مکرر حدیثیں، صحابہ کے آثار اور تابعین کے فتاوی وغیرہ بھی شامل ہیں، کیونکہ خالص مرفوع احادیث مذکورہ تعداد کا عشر عشیر بھی نہیں۔[۱]

ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے سنت کی دو قسمیں ہیں: متواتر اور آحاد۔

متواتر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

متواتر: یہ لفظ (وتر) سے ماخوذ ہے اور اس کا لغوی معنی ہے: ایک دوسرے کے بعد لگاتار آنا۔

محدثین کی اصطلاح میں متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے روایت کرنے والوں کا ان کی کثرت اور اعتماد و ثقاہت کی بنا پر ان کا جھوٹ پر عقلا وعادۃ اتفاق کرنا ناممکن ہو۔

متواتر کے شرائط:

متواتر کی چار شرطیں ہیں:

۱- متواتر حدیث کے راوی ظن و تخمین سے پاک، حدیث کی نسبت میں پختہ یقین رکھنے والے نیز روایت کردہ حدیث کے معنی و مفہوم کو سمجھنے والے بھی ہوں۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء (۱۱/۱۸۷)۔

۲- ان راویوں کے علم کا دار و مدار کسی محسوس چیز جیسے مشاہدہ اور سماعت وغیرہ پر ہو۔

۳- راویوں کی تعداد اس قدر ہوں کہ عرف عام میں ان کا جھوٹ پر متفق ہونا ناممکن ہو۔

۴- راویوں کی ایک معتبر تعداد سند کے شروع سے لے کر اس کے آخری طبقہ تک مسلسل بر قرار رہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: متواتر (کے راویوں) کی کوئی تعداد متعین نہیں، جب بھی خبر دینے والوں کی خبر سے علم یقین کا فائدہ حاصل ہو جائے تو اس کی خبر متواتر کہلائے گی، اکثر اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث روایت کرنے والوں کی عدالت و ثقاہت میں کمی و بیشی ہو جانے سے حصول علم کے اعتبار سے ان کی روایت کردہ حدیثیں کافی مختلف ہوتی ہیں۔

کچھ راوی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی امانت داری اور سچائی کی وجہ سے ان کی روایت کردہ حدیثیں یقین کا فائدہ دیتی ہیں اگرچہ وہ تعداد میں کم ہی کیوں نہ ہوں۔

جبکہ کچھ راوی ان کے بر عکس ہوتے ہیں جو اگر تعداد میں پہلے والوں کے دوگنا بھی ہوں تو ان کی روایت کردہ حدیث علم یقین کا فائدہ نہیں دیتی، اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ خبر واحد قرائن کے ساتھ مل کر علم یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ (۱)

آحاد کی تعریف اور اس کی قسمیں:

ہر وہ حدیث جس میں متواتر کی شرطیں جمع نہ ہوں اسے «خبر واحد» کہتے ہیں، اگر اسے روایت کرنے والا صرف ایک راوی ہو تو اسے «غریب»، اگر دو یا اس سے زائد

---

(۱) مجموع الفتاوی (۱۸/ ۴۰)۔

ہوں تو «عزیز» اور اگر اس سے بھی زائد ہوں جیسے کوئی جماعت روایت کرے تو اسے «مشہور» یا «مستفیض» کہتے ہیں۔

جمہور علماء جیسے احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک وہ خبر واحد جسے امت نے ہاتھوں ہاتھ قبول کر لیا ہو عقائد و معاملات میں بغیر کسی فرق کے متواتر کی طرح علم یقین کا فائدہ دیتی ہے، صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے اہل سنت کا یہی نظریہ رہا، البتہ پرانے معتزلہ، اہل بدعت اور موجودہ دور میں ان کی فکر سے متاثر بعض قلم کار کہتے ہیں کہ خبر واحد علم یقینی کا فائدہ نہیں دیتی لہذا یہ اعتقاد کے باب میں قابل حجت نہیں، ان کے اس بارے میں جو شبہات ہیں وہ غیر واضح، بالکل غلط اور عقل سے پرے ہیں۔

یہ موضوع تفصیلی بحث کا متقاضی ہے، یہاں اسے چھیڑنا مناسب نہیں، تفصیل کے لیے قارئین کرام کو امام ابن قیم کی کتاب «الصواعق المرسلة» کی طرف رجوع کرنا چاہیے جس میں انھوں نے خبر واحد کی حجیت پر کئی دلائل پیش کئے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ علم کی بنیاد سماع اور مشاہدے پر ہے، چنانچہ جب ہم کسی راوی کو اس کی باتوں میں سچا، اس کے دین میں امانت داری اور اس کے حفظ میں پختگی جیسی صفات سے متصف بیان کرتے ہیں تو پھر اس کی روایت میں غلطی کا احتمال نہیں رہتا، اس طرح اس کی روایت سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے، الا یہ کہ حفظ وضبط میں وہ اپنے سے زیادہ ثقہ راوی یا اپنے ہی جیسے ایک سے زائد ثقہ راوی کی مخالفت کرے تو اس صورت میں محفوظ روایت علم یقینی کا فائدہ دے گی اور شاذ روایت اس سے قاصر گردانی جائے گی۔

ہمیں اسی چیز کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے جو دلیل اور حجیت کے اعتبار سے زیادہ مضبوط ہو۔

بات یہی پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ گولڈ زیہر (Goldziher) جیسے مستشرق اور اس کے ہم مشرب بعض نام نہاد مسلم ادباء نے اس قدر دیدہ دلیری کا مظاہرہ کیا کہ سنت کو مصادر اسلام سے ہی خارج کر دیا اور کہا کہ یہ سنت زمانہ جاہلیت سے وراثت میں ملی ہوئی عادات ورسومات کا نام ہے۔

اس لیے کہ پہلے زمانے کے مسلمان اپنے در پیش مسائل کے حل اور شرعی مسائل میں فتوی حاصل کرنے کے لیے سنت کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے، بلکہ حجیت سنت کے دعوی کا اظہار تو دوسری صدی ہجری کے آخر اور تیسری صدی کے آغاز میں بعض علماء نے کیا، اور اپنی کتابوں میں سنت کی حجیت سے متعلق دلائل پیش کئے۔

اس دور میں سنت کا دفاع کرنے والوں میں سر فہرست امام شافعی تھے جنہوں نے اپنے پیش رو امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہا اللہ کا رد کیا۔[1]

مستشرقین اور ان کے ہم مشرب مسلمانوں کا یہی نظریہ ہے، اس باطل نظریہ کی تائید کے لئے انھوں نے ان احادیث وآثار کا سہارا لیا جو قرآن پر اکتفاء کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

جیسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول:

«حَسْبُنا كتابَ الله».

(۱) یہی دعوی جوزف شاخت joseph Schacht (۱۹۰۳م- ۰۰۰) نے اپنی کتاب:
Mohammden jurisprudence sunnah practice and living tradition.
میں کیا ہے۔

ترجمہ: ہمیں اللہ کی کتاب یعنی قرآن کافی ہے۔[1]

اس کے علاوہ وہ حدیثیں جو سنت کی حجیت ثابت کرنے کے لئے اسے قرآن پر پیش کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔

جیسے یزید بن ربیعہ کی روایت کردہ حدیث جسے انھوں نے ابو الاشعث اور انھوں نے حضرت ثوبان سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا جَاءَكُمْ الْحَدِيث فَاعْرِضُوهُ عَلَى كِتَاب الله فَإِنْ وَافَقَهُ فَخُذُوهُ وَإِنْ خَالَفَهُ فَدَعُوْهُ».

ترجمہ: جب تمہیں کوئی حدیث پہنچے تو اسے کتاب اللہ یعنی قرآن پر پیش کرو، اگر موافقت کرے تو قبول کرلو، اور اگر قرآن کی مخالفت کرے تو اسے رد کردو۔

اس حدیث کا راوی یزید بن ربیعہ مجھول ہے، جبکہ راوی ابو الاشعث کی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت ثابت ہی نہیں، لہذا یہ حدیث باطل ہے۔

انہی احادیث میں سے مہلب بن ابی صفرہ کی وہ روایت کردہ حدیث جسے انھوں نے ابن مناس، عن محمد بن مسرور قیروانی، عن یونس بن عبد الاعلی، عن ابن وھب، عن شمر بن نمیر، عن حسین بن عبد اللہ بن عبید اللہ بن عباس، عن ابیہ، عن جدہ علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«سيأتي ناس يحدثون عني حديثا فمن حدثكم حديثا يُضارِعُ القرآنَ فأنا قلته، ومن حدثكم بحديث لا يضارع القرآن فلم أقله، فإنما هو

---

(۱) اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

حَسْوَةٌ من النار».

ترجمہ: عنقریب کچھ لوگ مجھ سے حدیثیں بیان کریں گے اگر کوئی تمہیں قرآن کریم کے موافق بیان کرے تو اسے میری حدیث سمجھنا، اور اگر کوئی قرآن کے مخالف حدیث بیان کرے تو اسے میری بات خیال نہ کرنا، کیونکہ وہ آتش جہنم کا ایک گھونٹ ہے۔[١]

یہ حدیث بھی ضعیف ہے، عبد الرحمن بن مهدی فرماتے ہیں: اس حدیث کو زنادقہ اور خوارج نے وضع کیا ہے۔

امام ابو محمد ابن حزم کہتے ہیں: اس کی سند میں نہایت ہی ضعیف راوی حسین بن عبد اللہ ہے جس پر زندیق ہونے کی تہمت لگائی گئی ہے۔[٢]

امام شافعی، بیہقی اور ابن حزم کے علاوہ دیگر ائمہ نے بھی اس حدیث کا انکار کیا اور اس قسم کی حدیثوں کے بارے میں کہا ہے کہ یہ سب جھوٹ کا پلندہ ہے۔

جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا تعلق ہے تو اس کے سیاق وسباق کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اس قول کو امام بخاری اور مسلم رحمہا اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کے گھر میں جو لوگ حاضر تھے ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(١) الإحكام لابن حزم(٢/٧٦)۔
(٢) الإحكام لابن حزم (٢/٧٦)۔

«هَلُمَّ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لاَ تَضِلُّوا بَعدَهُ».

ترجمہ: میرے قریب آؤ، میں تمہارے لئے ایک ایسی وصیت لکھ دوں کہ تم اس کے بعد گمراہی کا شکار نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف بڑھ گئی ہے، ہمارے پاس اللہ کی کتاب قرآن کریم موجود ہے جو ہمارے لئے کافی ہے۔

اتنا سننا تھا کہ گھر میں موجود لوگوں میں اختلاف شروع ہو گیا: بعض لوگ کہتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آؤ تا کہ وہ تمہیں ایسی وصیت لکھ دیں جس سے تم کبھی گمراہ نہ ہو، جبکہ بعض لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید کی۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شور ہونے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہاں سے اٹھ جاؤ۔

راوی حدیث عبید اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ کیا یہ کسی آفت سے کم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے شور وشرابے اور اختلاف کی وجہ سے ان کے لئے ہدایات نہ لکھ سکے۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ قول سنت کو چھوڑ کر قرآن ہی کو کافی سمجھنے پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درد کے بوجھ کو ہلکا کرنا تھا، اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔

اس واقعہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند ایام تا حیات رہے، مگر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی تردید نہیں کی۔

---

(۱) صحیح بخاری (۵۶۶۹)، صحیح مسلم (۷ ۱۶۳: ۲۲) الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

جب طبیعت کچھ سنبھلی اور صحت بحال ہوئی تو آپ ﷺ نے کچھ باتیں لکھوانے کا ارادہ ظاہر کیا جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مرض الموت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

«ادْعِي لِي أَبَا بَكْرٍ،وَأَخَاكِ، حَتَّى أَكْتُبَ كِتَابًا، فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَتَمَنَّى مُتَمَنٍّ وَيَقُولُ قَائِلٌ: أَنَا أَوْلَى، وَيَأْبَى اللهُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ».

ترجمہ: اپنے والد ابو بکر اور اپنے بھائی کو بلائیے تاکہ میں وصیت لکھوادوں، مجھے خدشہ ہے کہ کوئی خواہش کرنے والا بعد کو اپنی خواہش ظاہر کرے، یا کوئی یہ دعوی کرے کہ میں ہی سب سے بہتر اور مناسب وموزوں شخص ہوں۔

یادرکھو! اللہ تعالی اور اہل ایمان حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو قبول نہیں کریں گے۔[۱]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی توضیح وتشریح کی تائید ونصرت پر آپ کا زمانہ خلافت گواہ ہے کہ آپ سنت کو اپنانے کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے:

عنقریب کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو قرآن کریم کی مجمل اور متشابہ آیتوں کو لے کر تم سے بحث ومباحثہ کریں گے تو تم اس وقت حدیث رسول کو تھامے رکھنا، یقینا اہل سنت ہی قرآن کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں لفظ حدیث کے تحت اور اپنی کتاب (mohammaden study)[۲] میں گولڈ زیہر (Goldziher) کا سنت کے بارے

---

(۱) صحیح مسلم (۲۳۸۷)۔

(۲) Mohammaden study (۱: ۴۱)۔

میں باطل نظریہ مذکور ہے کہ: آباء واجداد کے طور طریقوں کو اپنانا کفار عرب کے یہاں بھی باعث فضیلت تصور کیا جاتا تھا، سنت بھی وہ پرانا طریقہ ہے کہ معاملات اور لین دین میں لوگ جس کے عادی بن چکے ہیں۔

جب اسلام کا ظہور ہوا تو سنت کا اپنے پرانے طریقے پر قائم رہنا دشوار گذرا، بنابریں مسلمانوں کے لیے ضروری ہوا کہ وہ اپنے لئے کوئی نیا راستہ ایجاد کریں۔

چنانچہ ایک مومن کے لئے اپنے تمام شعبہ ہائے زندگی میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کے اخلاق وکردار کو قابل تقلید نمونہ بنانا لازمی اور ضروری قرار پایا.... یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے نبی ﷺ کی احادیث اور صحابہ کرام کے آثار کو جمع کرنے میں ہر ممکن کوشش کی۔[1]

در اصل مستشرق گولڈ زیہر (Goldziher) یہ فکر پھیلانا چاہتا ہے کہ سنت کی کوئی ذاتی اور مستقل حیثیت نہیں، یہ تو بس زمانہ جاہلیت کے رسوم ورواج سے ماخوذ شدہ ہے۔

گولڈ زیہر (Goldziher) کے بعد جوزف شاخت (Joseph Schacht) نامی مستشرق نے سنت کو مقامی ماحول، اسلامی معاشرہ اور خلفاء کا طرز عمل ٹھہرایا اور ببانگ دہل یہ دعوی کیا کہ پہلی دو صدیوں میں امام شافعی کے آنے تک اس کا کوئی عملی ثبوت نہیں ملتا، امام شافعی نے آتے ہی حجیت سنت کا نعرہ بلند کیا اور اس کے منکرین کا رد کیا۔

سنت کے بارے میں مذکورہ دونوں مستشرقین کا نظریہ بالکل بے بنیاد اور خلاف حقیقت ہے، کیونکہ «جہل» یا «جہالت» علم کی ضد ہے، لغوی اعتبار سے کسی کام کو بغیر

---

(۱) دائرة المعارف الإسلامية (۷/۳۳۰)۔

علم و معرفت کے انجام دینا «جہالت» کہلاتا ہے۔ اسی سے مجاھل ہے جو کہ «مجھول» کی جمع ہے۔

مضرس بن ربعی کا شعر ہے:

إنَّا لنَصفَحُ عنْ مجَاهِلِ قوْمِنا وَنُقِيمُ سالِفَةَ الْعَدُوِّ الأصْيدِ

ہم اپنی قوم کی بے وقوفیوں اور نادانیوں کو در گزر کرتے ہیں جبکہ متکبر دشمن کی ٹیڑھی اور اکڑی ہوئی گردن کو سیدھا کر دیتے ہیں (۱)۔

یہی در اصل «جاہلیت» کا معنی و مفہوم ہے۔ کیا گولڈ زیہر (Goldziher) اور اس کے ہم نوا اس معنی کو سنت نبوی پر لاگو کر سکتے ہیں؟ ہر گز نہیں، کیونکہ گہری نظر و بصیرت والے محقق کے نزدیک تناقض و تضاد کے لحاظ سے دونوں معنوں کے درمیان واضح فرق ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ کتاب و سنت میں کئی مقامات پر جاہلیت کے طور طریقوں سے اجتناب کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَظُنُّونَ بِٱللَّهِ غَيْرَ ٱلْحَقِّ ظَنَّ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ﴾ [آل عمران: ١٥٤].

ترجمہ: وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ناحق جہالت بھری بد گمانیاں کر رہے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت نافع، جبیر بن مطعم سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللهِ ثَلَاثَةٌ: مُلْحِدٌ فِي الحَرَمِ، وَمُبْتَغٍ فِي الإِسْلَامِ

(۱) لسان العرب (۱۱/۱۲۹)۔

سُنَّةَ الجَاهِلِيَّةِ، وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهَرِيقَ دَمَهُ»

ترجمہ: اللہ تعالی کے نزدیک تین قسم کے لوگ سب سے زیادہ ناپسند اور مبغوض ہیں:

۱- حرم میں فساد برپا کرنے والا۔
۲- اسلام میں جاہلیت کے طور طریقوں کو چاہنے والا۔
۳- کسی آدمی کا ناحق خون کرنے کا خواہشمند۔ (۱)

اس حدیث میں وارد لفظ «سنة الجاهلية» کا معنی ہے جاہلیت کے طریقے پر قائم رہنا یا لوگوں کے درمیان اس کی نشر واشاعت کرنا یا اسے بطور نظام و قانون کے نافذ کرنا۔

صحیح مسلم میں ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ، لَا يَتْرُكُونَهُنَّ: الْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالْاسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ» وَقَالَ: «النَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا، تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ، وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ».

ترجمہ: میری امت میں زمانہ جاہلیت کی چار چیزیں ہیں جنہیں لوگ ترک نہیں کر سکیں گے:

۱- خاندانی حسب نسب پر فخر کرنا۔
۲- نسب میں طعنہ زنی کرنا۔

---

(۱) صحیح بخاری (۶۸۸۲)۔

۳- ستاروں سے بارش طلب کرنا۔

۴- نوحہ وماتم کرنا۔

اور فرمایا: نوحہ ماتم کرنے والی اپنی موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو کل قیامت کے دن اس حال میں لائی جائے گی کہ اس کی قمیص تار کول اور کپڑے خارش زدہ ہوں گے۔

اسی مفہوم کی ایک اور حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنگ میں شریک تھے کہ ایک مہاجر نے انصار کے ایک آدمی کو دھکا دے دیا۔

اس انصاری نے انصار قبیلے کے افراد جبکہ مہاجر نے اپنے برادری کے مہاجر بھائیوں کو اپنی اپنی مدد کے لیے پکارا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو فرمایا:

«مَا بَالُ دَعْوَى الجَاهِلِيَّةِ».

یہ جاہلیت کی کیسی صدا ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ایک مہاجر نے انصار کے کسی فرد کو دھکا دے دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ».

اسے چھوڑ دو یہ سخت ناپسندیدہ ہے۔(۱)

---

(۱) صحیح بخاری (۴۹۰۵)۔

ایک حدیث میں نبی ﷺ کا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے کہنا:

«إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ».

تم ایسے شخص ہو جس میں اب بھی جہالت پائی جاتی ہے۔[1]

امام ابو داود اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ، أَنْتُمْ بَنُوآدَمَ وَآدَمُ مِن تُرَابٍ، لَيَدَعَنَّ رِجَالٌ فَخْرَهُمْ بِأَقْوَامٍ، إِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ فَحْمِ جَهَنَّمَ، أَوْ لَيَكُونُنَّ أَهْوَنَ عَلَى اللهِ مِنَ الْجِعْلَانِ الَّتِي تَدْفَعُ بِأَنْفِهَا النَّتِنَ».

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالی نے تم سے جاہلیت کے تکبر و نخوت اور آباء واجداد پر فخر کرنے جیسے گناہ کو دور کر دیا ہے۔ اب لوگ دو قسم کے ہیں: پرہیز گار مومن یا بدبخت فاسق وفاجر۔

تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ لوگوں کو اپنی قوم وقبیلہ پر گھمنڈ کرنا چھوڑ دینا چاہیے، ورنہ وہ جہنم کے کوئلے ہوں گے، یا اللہ تعالی کے یہاں ناک کے ذریعے گندگی کریدنے والے کیڑے سے بھی بدتر۔[2]

امام مسلم رحمہ اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے

---

(۱) صحیح بخاری (۳۰)۔

(۲) سنن ابو داود (۵۱۱۶)، سنن ترمذی (۳۹۵۶) امام ترمذی نے اس حدیث کو «حسن» کہا ہے۔ سنن ترمذی کے ایک نسخہ میں «حسن صحیح» بھی مذکور ہے۔

رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ، وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً».

جو حاکم وقت کی اطاعت سے نکل گیا اور جماعت سے الگ ہوا پھر اسی حالت میں مر گیا تو اس کی یہ موت جاہلیت کی موت شمار کی جائے گی۔ (۱)

مذکورہ احادیث کے علاوہ بھی حدیث کی کتابوں میں بے شمار حدیثیں مروی ہیں جو جاہلیت کے کاموں کی قباحت اور مذمت پر دلالت کرتی ہیں اور ان کاموں سے باز رہنے کی تلقین کرتی ہیں۔

زمانے کی قسمیں:

علماء کرام نے زمانے کی دو قسمیں کی ہیں:

۱- **دور جاہلیت:** یہ اسلام سے قبل کا زمانہ ہے جس میں عرب اللہ، اس کے رسول اور دین کے احکام سے ناواقف تھے۔ نیز حسب ونسب کے سبب ایک دوسرے پر فخر بھی کیا کرتے تھے۔

۲- **دور اسلام:** یہ وہ زمانہ ہے کہ جس میں آفتاب اسلام طلوع ہوا اور زمین اپنے رب کے نور ہدایت سے چمک اٹھی اور لوگ جہالت وگمراہی کی تاریکیوں سے نکل کر رشد وہدایت کی روشنی میں زندگی بسر کرنے لگے۔

کیا اتنی واضح اور صریح دلائل کے آ جانے کے بعد عقل یہ تصور کر سکتی ہے کہ سنت نبوی کی اتباع جاہلیت کی تقلید وروایات کا نام ہے؟ اللہ تعالی ان مستشرقوں کی

(۱) صحیح مسلم (۱۸۴۸)۔

بے ہودہ باتوں سے بری ہیں۔

یہاں ایک اہم نکتہ کی وضاحت ضروری ہے کہ اسلام نے انبیاء ورسل کے ادیان کے مقابلہ میں کوئی نیا دین پیش نہیں کیا بلکہ اسلام تو کشادہ آسان اور شرک سے پاک شریعت وملت کا نام ہے جسے کج رو اور گمراہ لوگوں نے بدل دیا تھا۔

چنانچہ اللہ تعالی نے خاتم الانبیاء حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ کو اس حقیقت کے اعلان کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ ٱلرُّسُلِ ﴾ [الأحقاف: ٩].

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے! کہ میں کوئی بالکل انوکھا پیغمبر تو نہیں۔

اور فرمایا:

﴿ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ هَدَى ٱللَّهُۖ فَبِهُدَىٰهُمُ ٱقْتَدِهْۗ ﴾ [الأنعام: ٩٠].

ترجمہ: یہی لوگ ایسے تھے جن کو اللہ تعالی نے ہدایت کی تھی، سو آپ بھی انہی کے طریقے پر چلئے۔

نیز فرمایا:

﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُواْ لِلَّذِينَ هَادُواْ ﴾ [المائدة: ٤٤].

ترجمہ: ہم نے تورات نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت ونور ہے، یہودیوں میں اسی تورات کے ساتھ اللہ تعالی کے ماننے والے انبیاء علیہم السلام، اللہ والے اور علماء فیصلے کرتے تھے۔

انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہی ہے اگر چہ فروعی احکام ومسائل الگ ہیں، جیسا کہ

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾ [المائدة: ٤٨].

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر رکھی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَالْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ».

ترجمہ: میں عیسی علیہ السلام کا سب سے قریبی ہوں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بھلا وہ کیسے؟ فرمایا: انبیاء آپس میں علاتی بھائیوں کی طرح ہیں، سب کی مائیں الگ ہیں مگر ان کا دین ایک ہی ہے۔ ہم دونوں کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ (۱)

علاتی بھائیوں کا مطلب: جن کے والد ایک ہو اور مائیں مختلف ہوں۔

دو والد سے ہونے والی اولاد کو «اولاد الاعیان» کہا جاتا ہے۔

مذکورہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ انبیاء کے ایمان کی بنیاد ایک ہے مگر فقہی احکام الگ الگ ہیں، کیونکہ سارے انبیاء توحید کے اصول میں متفق ہیں جبکہ ان کے دین کے فروعی مسائل ایک دوسرے سے کافی الگ ہیں۔

امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

---

(۱) صحیح بخاری (۳۴۴۳)، صحیح مسلم (۲۳۶۵)۔

نبی ﷺ کا یہ فرمان کہ انبیاء کا دین ایک ہے اس سے مراد توحید کے اصول ہیں۔

توحید کی ایک اصل اللہ تعالی کی اطاعت و فرمانبرداری ہے گرچہ اس کی کیفیت الگ ہو۔

جیسے اسلام سے قبل آسمانی ادیان کے پیروکار رکوع اور سجدے کرتے تھے لیکن ان کے رکوع اور سجدے کی کیفیت ہمارے رکوع اور سجدے سے کافی مختلف تھی۔

جاہلیت کے رسم ورواج اور عادات واطوار کے بارے میں اسلام کا موقف

دنیا کی دوسری قوموں کے برعکس زمانہ جاہلیت میں عربوں کے یہاں کوئی مرتب دستور حیات اور قوانین معاشرت کا وجود نہیں تھا، البتہ عربوں میں یہود ونصاری اور مجوس سے ماخوذ شدہ محرف عقیدہ، رسم ورواج، سماجی عادات واطوار کا وجود ملتا ہے۔

جب اسلام آیا تو اس نے جاہلیت کے بعض عادات واطوار کو باقی رکھا، بہت سارے بے جا رسوم ورواج کو ختم کر دیا جبکہ کچھ عادات واطوار میں تصحیح اور تبدیلی کر دی۔

زمانہ جاہلیت کے جن عادات واطوار کو اسلام نے باقی رکھا ان کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

قسامہ:

امام مسلم رحمہ اللہ ایک انصاری صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قسامہ کو جاہلیت ہی کے اسلوب میں باقی رکھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ اسی اصول کے تحت آپ ﷺ نے انصار کے کچھ لوگوں کے درمیان (اس مقتول کے بارے میں جس کے قتل کرنے کا الزام انصار نے یہودیوں پر لگایا تھا) فیصلہ بھی صادر فرمایا۔

عاشورہ کا روزہ:

امام بخاری اور مسلم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ

جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں کو عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ آپ ﷺ نے ان سے استفسار کیا:

«مَا هَذَا الْيَوْمُ الَّذِي تَصُومُونَهُ».

یہ کون سا دن ہے جس کا تم روزہ رکھتے ہو؟

انھوں نے کہا کہ یہ وہ عظیم دن ہے جس میں اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون کو اس کی قوم سمیت آب غرق کیا۔

موسی علیہ السلام نے بطور شکرانہ اس دن اللہ تعالی کے لئے روزہ رکھا، اسی لیے ہم بھی روزہ رکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَنَحْنُ أَحَقُّ وَأَوْلَى بِمُوسَى مِنْكُمْ».

ہم موسی علیہ السلام کی اتباع کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔

راوی حدیث کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اس دن کا روزہ رکھا اور مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔[1]

اسی طرح مہمانوں کی **مہمان نوازی کرنا، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، ناتواں اور بے کسوں کا سہارا بننا، مسافر کی مدد کرنا، غسل جنابت اور ختنہ کرنا** وغیرہ کا شمار جاہلیت کے قابل تحسین اعمال میں ہوتا تھا، اسلام نے انہیں باقی رکھا۔

---

(۱) صحیح بخاری (۳۳۹۷)، صحیح مسلم (۱۱۳۰) الفاظ مسلم کے ہیں۔

روزہ:

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے تعلق سے روایتوں میں آتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے تین سال قبل ہی سے روزہ رکھتے اور نماز پڑھتے تھے۔

اہل جاہلیت بیت اللہ کا حج کرتے، اس کے شعائر کی تعظیم کرتے تھے۔ ان میں کچھ توحید پرست بھی تھے جیسے ورقہ بن نوفل اسدی، زید بن عمرو بن نفیل عدوی، عثمان بن حویرث اسدی (یہ سب قریشی تھے) اور عبید اللہ بن جحش اسدی جو قریش کے حلیف تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ حضرات ایک مرتبہ اپنی قوم کے بتوں کے میلے میں اکٹھا ہوئے اور کہنے لگے۔ «جان لو! اللہ کی قسم! تمہاری قوم کسی بھی دین پر قائم نہیں، یہ لوگ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین سے پھر چکے ہیں، یہ پتھر (بت) نہ سنتا ہے اور نہ ہی دیکھ سکتا ہے، کسی کو نفع اور نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا۔

لوگو! تم اپنے لئے (سچا) دین تلاش کرو، اللہ کی قسم تم کسی صحیح طریقہ پر نہیں ہو۔[۱]

عمرو بن لحی خزاعی کعبہ شریف کے خادموں میں سے ایک تھا۔ ایک دفعہ وہ ملک شام گیا۔ وہاں کے لوگوں کو مورتیوں کی تعظیم اور ان کے آگے نذرانے پیش کرتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل بھی ان کی تقلید پر آمادہ ہو گیا۔

چنانچہ چند مورتیاں اپنے ساتھ لے آیا اور انھیں لا کر کعبہ پر لٹکا دیں، عربوں کو ان کی تعظیم اور عبادت کی دعوت دی، چنانچہ وہ اس کی باتوں میں آگئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جہنم میں اپنی انتڑیوں کو گھسیٹتے ہوئے دیکھا اور فرمایا:

---

(۱) سیرت ابن ہشام (۲/ ۵۱)۔

«إِنَّهُ كَانَ أَوَّلَ مَنْ غَيَّرَ دِينَ إِسْمَاعِيلَ، فَنَصَبَ الْأَوْثَانَ، وَبَحَرَ الْبَحِيرَةَ، وَسَيَّبَ السَّائِبَةَ، وَوَصَلَ الْوَصِيلَةَ، وَحَمَى الْحَامِي».

ترجمہ: سب سے پہلے اسماعیل علیہ السلام کے دین کو اسی نے بگاڑا، بتوں کو نصب کیا، بحیرہ، سائبہ، حام اور وصیلہ جیسی بے جا رسمیں جاری کیں۔ (۱)

مذکورہ واقعات سے یہ واضح ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی بعض چیزوں کو اسلام نے جوں کا توں باقی رکھا، جبکہ بعض چیزوں میں تصحیح و تبدیلی کر کے اسے درست قرار دیا جیسے حج کے اعمال وغیرہ۔

اللہ تعالی کا ارشاد:

﴿مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَٰهِيمَ﴾ [الحج: ۷۸].

ترجمہ: دین تمہارے باپ ابراہیم کا (قائم رکھو)۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

«بُعِثْتُ بالملةِ السَّمْحةِ الحَنيفيةِ البيْضَاء».

ترجمہ: مجھے شرک سے پاک، آسان اور واضح دین دے کر بھیجا گیا ہے۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام (۱/۷۶) امام احمد نے بھی اسے مسند احمد (۸۷۸۷) میں لیث بن سعد عن یزید بن الھاد عن ابن شہاب عن ابن المسیب کے طریق سے روایت کیا ہے: کہتے ہیں حضرت ابوہریرہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میں نے عمرو بن عامر کو جھنم میں انتڑیوں کے بل جھنم میں گھسیٹتے ہوئے پایا، اسی نے سب سے پہلے بحیرہ اور سائبہ جیسی رسمیں ایجاد کی تھی۔

مذکورہ سند کے سبھی راوی ثقہ ہیں۔

اسی جانب اشارہ کرتا ہے۔

جاہلیت کے جن کاموں کو اسلام نے ختم کردیا وہ بہت زیادہ ہیں، اگر ہم عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات، نکاح وطلاق اور جنگ وامن جیسے مسائل کو ذکر کرنا شروع کردیں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی، اس مسئلے میں مزید جانکاری حاصل کرنے کے لئے امام محمد بن عبد الوہاب کی کتاب (مسائل جاہلیت) کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

امور جاہلیت کے بارے میں اسلام کا یہی موقف رہا ہے اور صدیوں تک ایسے ہی چلتا رہا، یہاں تک کہ نت نئے علوم کا آغاز ہوا، اور جب اٹھارویں اور انیسویں صدی میں یورپ خواب غفلت سے بیدار ہوا تو وہاں ایک ایسی جماعت نمودار ہوئی جس نے ایک خاص مقصد کے تحت مشرقی علوم سمیت علوم شرعیہ اور ان کے مصادر ومراجع سے واقفیت حاصل کرلی۔

مستشرقین کی اسی جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ اسلام میں سنت کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، بلکہ یہ محض دور جاہلیت کی روایات ورسومات ہیں جنہیں اسلام نے ان کی دلجوئی اور ان کی عادات کی تعظیم کی غرض سے باقی رکھا۔

مستشرقین کے اس نظریے کی تقلید میں برصغیر اور بعض اسلامی ممالک میں بسنے والے روشن خیال حضرات پیش پیش رہے۔ بلاشبہ یہ لوگ اس امت کے زندیق ہیں۔

اسلام اپنے عقائد، اوامر ونواہی نیز اپنے تمام احکام ومسائل میں مکمل ہے۔ اللہ تعالی نے اسے مکمل ضابطہ حیات بنا کر اپنے رسول پر وحی کی شکل میں نازل کیا ہے اور آپ کو جاہلانہ عادات ورسومات کی اتباع کئے بغیر اس کی نشر واشاعت کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

﴿ إِذْ جَعَلَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ ٱلْجَـٰهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ ٱللَّهُ سَكِينَتَهُۥ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ وَعَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴾ [الفتح: ٢٦].

ترجمہ: جب کہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی، سو اللہ تعالی نے اپنے رسول پر اور مؤمنین پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی۔

جہاں تک شاخت (Joseph Schacht)اور دوسرے مستشرقین کے اس دعوے کا تعلق ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ ہی نے سب سے پہلے سنت کی طرف دعوت دی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ کرام میں کوئی ایسا عالم نہیں گذرا جو سنت کے حجت نہ ہونے کا قائل ہو۔ اس بات کی گواہی حدیث کی کتابیں، امت مسلمہ کی تاریخ اور آج تک امت میں جاری وساری عمل دے رہا ہے۔

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء امت میں ہم کسی بھی ایسے شخص کو نہیں پاتے جس نے نبی ﷺ کی کسی حدیث کو صحیح جاننے کے بعد اس کو بغیر کسی دوسری حجت (جیسے اس حدیث کے منسوخ ہونے کا دعوی، اجماع، سند میں ضعف یا ایسے عمل کو جسے بجالانا ضروری ہو) کے رد کیا ہو۔

اگر کوئی بغیر دلیل کے کسی حدیث کو رد کر دیتا ہے تو اس کی عدالت مجروح ہو گی چہ جائے کہ اس کی امامت ختم ہو جائے، اسے فاسق گردانا جائے گا، مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس امت کے علماء کو اس سے محفوظ رکھا ہے۔

البتہ بعض دفعہ کچھ ایسے اسباب در پیش ہوتے ہیں جو کسی حدیث کے قبول کرنے میں رکاوٹ بنتے ہیں جنہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب «**رفع الملام عن الأئمة الأعلام**» میں بیان کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: تمام اعذار واسباب تین قسموں پر مشتمل ہیں۔

۱- امام یا اس عالم کے نزدیک حدیث کا نبی ﷺ سے ثابت نہ ہونا۔

۲- اس عالم کے یہاں حدیث سے مطلوبہ مسئلہ کا استدلال درست نہ ہونا۔

۳- اس عالم کا حدیث کے بارے میں یہ اعتقاد ہو کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

پھر امام ابن تیمیہ نے ان تین اعذار کو بنیاد بنا کر کئی اور فروعی اسباب ذکر کئے۔

پہلا سبب یہ ہے کہ اس عالم تک حدیث نہ پہنچی ہو، اور جس تک حدیث نہ پہنچے وہ حدیث کے تقاضوں کو مکمل کرنے کا مکلف نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

جیسا کہ عمر اور ان کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ واقعہ پیش آیا کہ وہ دونوں جمرہ عقبہ کو کنکری مارنے کے بعد اور طواف افاضہ سے قبل محرم کو خوشبو لگانے سے منع کرتے تھے اور انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا علم نہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو احرام باندھنے سے قبل اور احرام کھولنے کے بعد طواف سے قبل خوشبو لگائی تھی، اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری مثالیں ہیں جنہیں شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے۔[1]

امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے درج ذیل فرمان میں اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: «اگر اونٹوں کی گوشت والی حدیث ثابت ہو جائے تو میں اس کا قائل ہو جاؤں گا»۔

اسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔[2]

---

(۱) ملاحظہ ہو: رفع الملام (ص ۱)۔

(۲) اس قول کی مفصل تخریج کے لئے ملاحظہ ہو: السنن الصغری (۲۶) جو میری تحقیق سے شائع ہو چکی ہے۔

مذکورہ اعذار صرف ائمہ متقدمین کے حق میں قابل قبول ہو سکتے ہیں، کیونکہ ان کے زمانے تک احادیث کو جمع کرنے کا کام مکمل نہیں ہوا تھا۔ اب چونکہ سنت حدیث کی جامع کتابوں اور سنن کی شکل میں مدون ہو چکی ہیں۔

نیز ان میں صحیح وضعیف، ناسخ ومنسوخ اور صحابہ وتابعین کے یہاں معمول بہ احادیث اور ان کی قبولیت پر اجماع امت کی مہر ثبت ہو چکی ہے۔ مزید یہ کہ ان کی حجیت پر کتاب وسنت میں واضح دلائل موجود ہیں، لہذا ائمہ متبوعین کے پیروکاروں کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا کہ وہ کمزور وضعیف دلائل کی بنا پر صحیح حدیث کو ترک کریں، مثلا یہ کہیں کہ یہ حدیث قرآن یا قیاس جلی کے مخالف ہے، یا اس میں فلاں فلاں اشکال وابہام ہے۔

سبحان اللہ! نبی ﷺ کی باتیں قرآن کے مخالف کیسے ہو سکتی ہے؟ جبکہ آپ ﷺ قرآن کریم کو سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں، اس کے علاوہ نبی ﷺ کی حدیث عقل وقیاس کے کیسے مخالف ہو سکتی ہے؟ جبکہ اللہ تعالی نے آپ کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْىٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾ ﴾ [النجم: ٣ - ٤].

ترجمہ: اور نہ اپنی خواہش سے کوئی بات کرتے ہیں، وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک وحی (سنت) دوسری وحی (قرآن) کے مخالف ہو؟ دراصل وحی (سنت) تو دوسری وحی (قرآن) کی تفسیر وتشریح ہے، نیز سنت میں مسائل واحکام قرآن کی بہ نسبت زیادہ ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَه».

ترجمہ: مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اس جیسی ایک اور چیز دی گئی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگوں کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بجالانا دراصل اللہ تعالی ہی کی اطاعت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت آپ پر نازل شدہ قرآن ہی کے تابع ہے لہذا سنت اللہ کی کتاب کی مخالفت کبھی بھی نہیں کر سکتی۔ (۱)

امام خطابی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے: جب کوئی حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو اسے قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، ہر حدیث اپنی بنیاد اور حکم کے ساتھ بذات خود ایک مستقل و معتبر حیثیت کی حامل ہے لہذا مخالف اصول و قواعد کے ذریعے اس پر اعتراض کرنا، یا اس کو باطل قرار دینے کے لیے اس کے عدم نظیر اور اس کی قسم میں قلت نظیر کا بہانا بنانا قطعا جائز نہیں، اور حدیث میں کچھ ایسے مخصوص احکام بھی وارد ہوئے ہیں، جو مستقل اصول کی حیثیت رکھتے ہیں مثلا حدیث جنین، حدیث قسامہ اور حدیث مصراۃ وغیرہ۔ (۲)

برادران اسلام! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل اور آپ کے کردار و تقریر سے جو بھی حدیث ثابت ہو جائے، اس کی پیروی کرنے میں ذرہ برابر سستی نہ کرو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اطاعت میں دنیا وآخرت کی کامیابی اور جہنم کی آگ سے نجات ہے۔

---

(۱) الرسالۃ (۲۱۹)۔

(۲) معالم السنن (۳/۷۹۰)۔

صحیح عقیدہ

صحیح عقیدہ وہ ہے جسے قرآن کریم نے اور سید المرسلین ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ادا کیا، صحابہ کرام نے اپنایا اور تابعین و تبع تابعین نے صحابہ سے سیکھا یہاں تک کہ وہ ہم تک بالکل صاف و شفاف حالت میں پہنچ گیا گویا وہ آج ہی نازل ہوا ہے۔

یہی اسلاف امت کا عقیدہ ہے۔

صحیح عقیدے کو لوگوں کے دلوں میں راسخ کرنے کے لئے اہل سنت والجماعت کے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور انہی کے نہج پر قائم شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم رحمہ اللہ اور پھر مجدد امت شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ (ت ۱۲۰۶ھ) نے خوب جدوجہد کی۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب نے امیر محمد بن سعود رحمہ اللہ کے تعاون سے صحیح عقیدے کو لوگوں کے دلوں میں راسخ کیا۔ آپ رحمہ اللہ کی دعوت کی نشر واشاعت میں امیر محمد بن سعود رحمہ اللہ کا اللہ کے بعد بڑا فضل و کرم رہا ہے۔

علم و حکومت اور دعوت واقتدار کے مابین یہ مبارک تعاون خدمت اسلام اور پوری دنیا میں بسنے والے مسلمانوں کے مسائل کے حل کرنے کے لئے برابر جاری وساری ہے اور آئندہ بھی ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

باوجود یہ کہ اس مبارک ملک، توحید کی بستی اور بلاد حرمین شریفین کے خلاف

سازشیں اور پروپیگنڈے کئے جاتے ہیں مگر یہ ملک کتاب وسنت پر قائم رہ کر اللہ تعالی کے درج ذیل فرمان کی عکاسی کرتا ہے۔

﴿ ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّٰهُمْ فِي ٱلْأَرْضِ أَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَمَرُوا۟ بِٱلْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا۟ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَٰقِبَةُ ٱلْأُمُورِ ﴿٤١﴾ ﴾ [الحج: ٤١].

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جمادیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔

صحیح عقیدے کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ان تمام صفات پر ایمان لانا جو قرآن میں مذکور ہیں جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ ٱلرَّحْمَٰنُ عَلَى ٱلْعَرْشِ ٱسْتَوَىٰ ﴿٥﴾ ﴾ [طه: ٥].

ترجمہ: جو رحمن ہے، عرش پر مستوی ہے۔

اور فرمایا:

﴿ ٱللَّهُ ٱلَّذِى رَفَعَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۖ ثُمَّ ٱسْتَوَىٰ عَلَى ٱلْعَرْشِ ۖ ﴾ [الرعد: ٢].

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند رکھا ہے کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ پھر وہ عرش پر قرار پکڑے ہوئے ہے۔

اور ارشاد ہے:

﴿ إِلَيْهِ يَصْعَدُ ٱلْكَلِمُ ٱلطَّيِّبُ وَٱلْعَمَلُ ٱلصَّٰلِحُ يَرْفَعُهُۥ ۚ ﴾ [فاطر: ١٠].

ترجمہ: تمام تر ستھرے کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں، اور نیک عمل ان کو بلند

کرتا ہے۔

اور یہ فرمان:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلَّذِينَ ٱتَّقَواْ وَّٱلَّذِينَ هُم مُّحۡسِنُونَ ١٢٨ ﴾ [النحل: ١٢٨].

ترجمہ: یقین مانو کہ اللہ تعالی پرہیزگاروں اور نیک کاروں کے ساتھ ہے۔

اور فرمایا:

﴿رَّضِيَ ٱللَّهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُواْ عَنۡهُۚ ﴾ [المائدة: ١١٩].

ترجمہ: اللہ تعالی ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ سے راضی اور خوش ہیں۔

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَقۡتُلۡ مُؤۡمِنٗا مُّتَعَمِّدٗا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ خَٰلِدٗا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهُۥ ﴾ [النساء: ٩٣].

ترجمہ: اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالی کا غضب ہے اسے اللہ تعالی نے لعنت کی ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور فرمایا:

﴿ قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ ٱللَّهُ ﴾ [آل عمران: ٣١].

ترجمہ: کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا۔

اور فرمایا:

﴿رَبَّنَا وَسِعۡتَ كُلَّ شَيۡءٍ رَّحۡمَةً وَعِلۡمًا﴾ [غافر: ۷].

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! تونے ہر چیز کو اپنی بخشش اور علم سے گھیر رکھا ہے۔

مذکورہ آیات کے علاوہ اور بھی بہت ساری آیتیں اللہ تعالی کی صفات کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی ان صحیح حدیثوں میں وارد اللہ تعالی کی تمام صفات پر ایمان لانا جنہیں اہل علم نے شرف قبولیت بخشی ہے، جیسے نبی ﷺ کا یہ فرمان:

«يَنْزِلُ رَبُّنَا تبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ يَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي، فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ».

ترجمہ: ہمارا رب ہر رات جب اس کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، آسمان دنیا پر نزول فرما کر کہتا ہے: کون ہے جو مجھے پکارے، میں اس کی پکار کو قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے میں اس کو معاف کر دوں؟ متفق علیہ [(۱)]۔

اسی طرح نبی ﷺ نے فرمایا:

«للهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ أَحَدِكُمْ، مِنْ أَحَدِكُمْ بِضَالَّتِهِ، إِذَا وَجَدَهَا».

ترجمہ: اللہ تعالی اپنے توبہ کرنے والے بندے کی توبہ پر کسی کو گم شدہ اونٹنی کے

---

(۱) صحیح بخاری (۱۱۴۵)، صحیح مسلم (۷۵۸)۔

ملنے پر حاصل ہونے والی خوشی سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ [۱]

اور فرمایا:

«يَضْحَكُ اللهُ إِلَى رَجُلَيْنِ، يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ».

ترجمہ: اللہ تعالی ان دو بندوں پر ہنستا ہے جن میں سے ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے، پھر دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ متفق علیہ [۲].

اور فرمایا:

«لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ يُلْقَى فِيهَا وَتَقُولُ: هَلْ مِنْ مَزِيدٍ، حَتَّى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيهَا قَدَمَهُ، فَيَنْزَوِي بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ وَتَقُولُ: قَطْ قَطْ، بِعِزَّتِكَ وَكَرَمِكَ».

ترجمہ: لوگ مسلسل جہنم میں ڈالے جائیں گے اور پھر جہنم کہے گی: اور بھی ہے؟ اللہ تعالی اس میں اپنا قدم رکھے گا تو جہنم کے بعض حصے بعض حصوں کو سمٹ جائیں گے اور وہ کہنے لگے گی: بس بس۔ متفق علیہ [۳].

ایک لونڈی سے نبی ﷺ نے دریافت کیا کہ: اللہ کہاں ہیں؟ اس نے کہا: آسمان میں۔ آپ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا: آپ اللہ کے رسول ہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم (۲: ۲۶۷۵) کتاب التوبۃ۔
(۲) صحیح بخاری (۲۸۲۶)، صحیح مسلم (۱۸۹۰) الفاظ مسلم کے ہیں۔
(۳) صحیح بخاری (۷۳۸۴)، صحیح مسلم (۲۸۴۸) الفاظ مسلم کے ہیں۔

آپ نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو کیونکہ یہ مؤمن ہے۔ (۱)

اس کے علاوہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

«إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا القَمَرَ، لاَ تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لاَ تُغْلَبُوا عَلَى صَلاَةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَصَلاَةٍ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ، فَافْعَلُوا».

ترجمہ: بے شک تم اپنے رب کو ایسے دیکھوگے جیسے تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو، اس کے دیکھنے میں تمہیں کسی بھی قسم کی دشواری نہیں ہوگی، اس لئے جہاں تک ممکن ہو دن اور رات میں نماز پڑھنا نہ چھوڑنا۔ متفق علیہ (۲)

اس باب میں مذکورہ احادیث کے علاوہ بھی بہت ساری حدیثیں وارد ہیں، جن میں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اپنے پروردگار کی صفات کی خبر دی ہے۔

فرقہ ناجیہ - اہل سنت والجماعت - بغیر کسی تحریف، انکار کیفیت اور تمثیل کے اللہ تعالی کی صفات پر ویسے ہی ایمان رکھتے ہیں جس طرح اللہ تعالی نے قرآن میں اپنی صفات کے بارے میں خبر دی ہے۔ کیونکہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ ﴿١١﴾﴾ [الشورى: ١١].

ترجمہ: اس جیسی کوئی چیز نہیں، وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اہل سنت والجماعت اللہ تعالی کی کسی بھی ایسی صفت کا انکار نہیں کرتے جس کے

---

(۱) صحیح مسلم (۵۳۷)۔
(۲) صحیح بخاری (۷۴۳۴)، صحیح مسلم (۶۳۳)۔

ساتھ اللہ تعالی نے خود اپنی ذات کو موصوف کیا ہے، اور وہ اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں تحریف نہیں کرتے، نہ ہی اللہ تعالی کی صفات کی کیفیت بیان کر کے یا انہیں مخلوق کی صفات کے مشابہ و مماثل قرار دے کر اس میں کج روی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر علامہ حافظ ابو طاہر سِلَفی (ت ۵۷۶ھ) کا شعر پیش خدمت ہے:

فَهَـذَا مَـا أَدِيـنُ بِـهِ إِلهِـي تَعَـالَى عَـنْ شـبيهٍ أَوْ مِثَـالِ

وَمَـا نَافَـاهُ مِـنْ خـدعٍ وزورٍ وَمِـنْ بـدعٍ فَلَـمْ يَخَطُـرْ بِبَـالِي

ترجمہ: میں اپنے اس رب کی عبادت کرتا ہوں جس کا کوئی شریک اور مماثل نہیں بلکہ وہ تشبیہ اور تمثیل سے پاک ہے

اور جس دھوکے، جھوٹ اور بدعتوں کی اس نے نکیر کی ہے ان کا میرے دل میں کبھی خیال بھی نہ آیا۔

اسی طرح اہل سنت والجماعت قیامت کی چھوٹی اور بڑی نشانیاں، منکر نکیر، قبر کے عذاب اور اس کی نعمتیں، شفاعت عظمی، جنت کی نعمتیں اور جہنم کے عذاب، قضاء وقدر کے اثبات، آخرت کے جملہ امور نیز ایمان کی شاخوں سے متعلق تمام صحیح حدیثوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

اگر کوئی عقیدے کے مصادر کے بارے میں سوال کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عقیدہ سیکھنے کے لئے سب سے بہتر کتاب قرآن مجید ہے، پھر حدیث کی کتابیں جیسے صحیح بخاری و مسلم، سنن اربعہ وغیرہ وغیرہ۔

ان کے بعد عقیدے کے موضوع پر تصنیف شدہ کتابیں جن میں سب سے افضل

اور بہتر کتابیں درج ذیل ہیں:

کتاب کا نام	مصنف کا نام
كتاب التوحيد	شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب
فتح المجيد	شیخ عبد الرحمن بن حسن بن محمد
تيسير العزيز الحميد	شیخ سلیمان بن عبد اللہ بن محمد
كتاب الإيمان	شیخ الاسلام ابن تیمیہ
القاعدة الجليلة فى التوسل والوسيلة	شیخ الاسلام ابن تیمیہ
العقيدة الواسطية	شیخ الاسلام ابن تیمیہ
التدمرية	شیخ الاسلام ابن تیمیہ
الحموية	شیخ الاسلام ابن تیمیہ
الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطلة	امام ابن قیم
اجتماع الجيوش الاسلامية	امام ابن قیم
القصيدة النونية	امام ابن قیم
إغاثة اللهفان من مكائد الشيطان	امام ابن قیم
شرح الطحاوية	امام ابن ابی العز
منهاج السنة	امام ابن تیمیہ

اقتضاء الصراط المستقیم	امام ابن تیمیہ
کتاب التوحید	امام ابن خزیمہ
کتاب السنة	عبد اللہ بن امام احمد
الاعتصام	علامہ شاطبی
فتاوی ابن تیمیة	امام ابن تیمیہ
الدرر السنیة فی الفتاوی النجدیة	شیخ عبد الرحمن بن قاسم۔ [1]

ان کے علاوہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے بیان میں ایسی بیسیوں کتابیں ہیں جو کتاب اللہ اور سنت صحیحہ پر اعتماد کرنے والے کبار علماء کے قلم سے تحریر شدہ ہیں اور یہ کتابیں ہر دور اور ہر مقام پر رہی ہیں۔

اگر کوئی کہتا ہے کہ ہم قرآن اور متواتر احادیث سے ثابت شدہ عقیدہ تو مانتے ہیں، البتہ ان کے علاوہ حدیثوں میں وارد عقائد کو تسلیم نہیں کرتے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن راویوں نے حلال وحرام کے احکام ومسائل، نماز، زکوۃ، روزہ، حج اور جہاد وغیرہ کے مسائل کو ہم تک پہنچایا ہے انہی راویوں نے سنت سے ثابت شدہ عقیدہ کو روایت کیا ہے، جس طرح علماء نے ان کے روایت کردہ احکام ومسائل کو قبول کیا بالکل اسی طرح سنت سے ثابت شدہ عقیدہ کے مسائل کو بھی شرف قبولیت بخشی۔

امام شریک رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہمیں اللہ تعالی کی پہچان ان احادیث سے ہوئی۔

---

(۱) یہ امام ابن باز رحمہ اللہ سے عقیدہ سے متعلق کتابوں کے بارے میں استفسار کے جواب کا خلاصہ ہے۔ ملاحظہ ہو: فتاوی مهمة تتعلق بالعقيدة (ص ۵۴۔۵۵)۔

یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ صفات باری تعالی اور غیبی امور سے متعلق اکثر حدیثیں خبر واحد کی قبیل سے ہیں، اس کے باوجود سلف صالحین نے بغیر کسی تردد وتذبذب کے انہیں قبول کیا۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بسا اوقات فقہی احکام سے متعلق حدیثوں کی جانچ پڑتال کرتے اور اس کی تاکید کے لئے کسی دوسرے آدمی کی گواہی طلب کرتے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دادی کے حصہ کی وراثت سے متعلق حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت کی تصدیق حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے کی۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت کی تصدیق حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے کی۔

مگر ان میں سے کسی نے بھی صفات باری تعالی سے متعلق روایت کردہ حدیثوں کی تصدیق کے لیے کسی کی گواہی طلب نہیں کی، بلکہ وہ ان احادیث کو بغیر تردد کے فورا قبول کرلیتے تھے اور ان کے مطابق عمل کرتے تھے۔

احکام وعقائد میں سنت کو حجت ماننے اور اس پر عمل کرنے کے بارے میں یہ فرقہ ناجیہ، طائفہ منصورہ اہل سنت والجماعت کے بعض اصول ہیں۔

لوگوں کے صحیح عقیدے سے انحراف کی وجہ دراصل عقیدے کے اہم مصادر کتاب وسنت سے دوری اور دین کے اصول کو سمجھنے میں سلف صالحین کے طریقہ سے لاپرواہی ہے۔

چند فرقے اور ان کے گمراہ کن عقائد:

١- خوارج:

یہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر مانتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی تکفیر کرتے تھے۔

اسی طرح مسلم حکمرانوں کی بھی یہ لوگ تکفیر کرتے ہیں اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ان سے ڈرایا ہے اور ان کے بارے میں فرمایا:

«يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ».

ترجمہ: یہ لوگ دین سے بالکل اسی طرح نکل جائیں گے کہ جس طرح تیر شکار کو پار کرکے نکل جاتا ہے۔ متفق علیہ (١)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي اخْتِلَافٌ وَفُرْقَةٌ، قَوْمٌ يُحْسِنُونَ الْقِيلَ وَيُسِيئُونَ الْفِعْلَ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ، لَا يَرْجِعُونَ حَتَّى يَرْتَدَّ عَلَى فُوقِهِ، هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ، طُوبَى لِمَنْ قَتَلَهُمْ وَقَتَلُوهُ، يَدْعُونَ إِلَى كِتَابِ اللهِ وَلَيْسُوا مِنْهُ فِي شَيْءٍ، مَنْ قَاتَلَهُمْ كَانَ أَوْلَى بِاللهِ مِنْهُمْ».

ترجمہ: عنقریب میری امت میں بہت زیادہ اختلاف ہوگا، کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو باتیں اچھی کریں گے مگر ان کے کام برے ہوں گے، قرآن کی تلاوت کریں گے مگر

---

(١) صحیح بخاری(٤٣٥١)، صحیح مسلم(١٠٦٤)۔

وہ ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا، دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، دین سے پھر جائیں گے اور اس کی طرف کبھی نہ لوٹیں گے۔

یہ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں، جو انھیں قتل کرے گا یا ان کے ہاتھوں جس کا قتل ہو گا اس کے لیے جنت ہے۔

یہ لوگ قرآن کی طرف لوگوں کو بلائیں گے مگر اس سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہو گا، جو ان کے خلاف جہاد کرے گا وہ اللہ سے بالکل قریب تر ہو گا۔

صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ان کی نشانی کیا ہو گی؟ فرمایا: وہ سر کا حلق کریں گے۔[۱]

آج کے زمانے میں یہی متشدد اور دہشت گرد ہیں، جو دلکش نعروں کا سہارا لے کر (جس کا مقصد صرف دنیا کا حصول اور نفسانی خواہشات کی تکمیل ہے) امت میں فساد برپا کرتے ہیں، ہر مسلمان کو ان کے افکار سے چوکنا رہنا چاہیئے تاکہ وہ ان کا آلہ کار نہ بنے۔

امام ابن عبد البر فرماتے ہیں: قرآن اور حدیث میں واضح طور پر کسی مسلمان کو فاسق وفاجر کہنے، نیز اس کی تکفیر کرنے کی ممانعت وارد ہے۔

پھر فرمایا: لہذا ضروری ہے کہ کوئی کسی مسلمان کو کافر نہ کہے سوائے اس کے جس کے کافر ہونے پر سب کا اتفاق ہو یا ایسا شخص جس کی تکفیر پر ایسی ٹھوس دلیل آجائے جو کتاب وسنت کے معارض نہ ہو۔[۲]

صحیح بخاری میں حضرت ثابت بن ضحاک سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ

---

(۱) اسے امام ابوداود نے اپنی سنن (۴۶۷۵) میں بسند صحیح روایت کیا ہے۔

(۲) التمہید (۱۷/۲۱-۲۲)۔

نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهِ، وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ»

مؤمن پر بے جا لعن طعن کرنا اس کے قتل کرنے کے برابر ہے، اور اسے کافر کہنا بھی اس کے قتل کرنے کے مساوی ہے۔(۱)

اور فرمایا:

«أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا».

جب کوئی اپنے مسلم بھائی کو کہتا ہے کہ اے کافر! تو اس کی یہ بات انہی دونوں میں سے کسی ایک پر لوٹ جاتی ہے۔(۲)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ، أَوْ قَالَ: عَدُوُّ اللهِ وَلَيْسَ كَذَلِكَ إِلَّا حَارَ عَلَيْهِ».

جس نے کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہا جبکہ وہ ایسا نہیں ہے تو اس کی یہ بات اسی کی طرف لوٹ جاتی ہے۔(۳) متفق علیہ.

بعض علماء کہتے ہیں: کسی مخصوص شخص کے بارے میں یہ کہنا کہ اللہ تعالی اسے معاف نہیں کرے گا، اس پر رحم نہیں کرے گا بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم میں داخل

---

(۱) اسے امام بخاری نے صحیح بخاری (۶۰۴۷) میں روایت کیا ہے۔

(۲) اسے امام بخاری نے صحیح بخاری (۶۱۰۴) اور امام مسلم نے صحیح مسلم (۶۰) میں روایت کیا ہے۔

(۳) اسے امام بخاری نے صحیح بخاری (۶۰۴۰) اور امام مسلم نے صحیح مسلم (۶۱) میں روایت کیا ہے۔ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

کرے گا بہت بڑا ظلم ہے۔

دین اسلام اعتدال اور وسطیت پر قائم ہے،رائے کے اختلاف کی وجہ سے خواہشات کی بنیاد پر لوگوں کی تکفیر کرنا قطعا جائز نہیں۔ کیونکہ تکفیر، تفسیق اور تبدیع (کسی کو بدعتی قرار دینا) شرعی امر ہے جس کے کچھ اصول ہیں جنہیں صرف علم میں پختگی رکھنے والے ماہر علماء ہی جانتے ہیں جو اس مسئلہ میں مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

لہذا کسی مسلم کو اس کے گناہ کی بنیاد پر کافر کہنے میں جلدی کرنا جائز نہیں، الا یہ کہ وہ اسے حلال قرار دے، یا دین کے کسی مشہور یا متواتر امر کا انکار کردے جو اس کے دین اسلام سے خارج ہونے کا سبب بنے۔

۲- قادیانیہ

قادیانی فرقہ مرزا غلام احمد قادیانی (ولادت ۱۸۳۵م - وفات ۱۹۰۸م) کی جانب منسوب ہے۔ جس نے نبوت اور اپنے مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا تھا، اور یہ کہ وہ محمد اللہ کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا دوسرا روپ ہے۔

قادیانیوں کے نزدیک کلمہ شہادت اور مؤذن کے قول «أشهد أن محمدا رسول الله» سے مقصود مرزا غلام احمد ہے، وہی اللہ کے رسول ہیں لہذا ان کی نبوت کا انکار کرنے والے کافر ہیں۔

یورپ، افریقہ اور بر صغیر میں ملکی پیمانے پر ان کے نشاطات کافی زیادہ ہیں، انھوں نے اسلام کے نام پر کئی مراکز کھول رکھے ہیں، اس دعوی کے ساتھ مساجد کے نام پر اپنی عبادت گاہوں کی بنیاد رکھی کہ وہی ان ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں، تاکہ اس کے ذریعے وہ مسلمانوں کو اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا سکیں۔

جب ان کا فتنہ حد کو تجاوز کر گیا اور بہت سارے لوگ ان سے دھوکا کھا گئے تو رابطہ عالم اسلامی نے دنیا بھر کی تمام اسلامی تنظیموں کی سن ۱۳۴۹ھ میں مکہ مکرمہ میں ایک کانفرس بلائی، اور اس کانفرس میں بالاتفاق یہ قرارداد پاس کی گئی کہ قادیانی اپنے دونوں فرقے (احمدیہ اور لاہوریہ) سمیت کافر ہیں۔وہ اسلام سے خارج ہیں لہذا ان سے نکاح کرنا جائز نہیں، نہ انھیں اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں کو مساجد کا نام دیں اور نہ ہی اپنے مراکز کا کوئی اسلامی نام رکھیں، اسی طرح جن ممالک میں ان کے مراکز قائم ہیں وہاں انھیں مسلمانوں کی نیابت کرنے سے روک دیا جائے نیز حج اور عمرے کی ادائیگی کے لیے حرمین شریفین میں ان کو داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔

اس قرار کے صادر ہونے کے دو سال بعد پاکستانی پارلمنٹ نے بالاتفاق یہ قرار داد منظور کی کہ قادیانی کافر ہیں، اگر وہ اقرار کرتے ہیں کہ وہ مسلمان نہیں ہیں تو ان کے حقوق پاکستان میں موجود اقلیات کے حقوق ہوں گے، بلکہ وہ یہود ونصاری، ہندو اور بوذیوں کی طرح ہیں۔

اس کے باوجود قادیانی اپنے آپ کو مسلمان باور کراتے ہیں نیز یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ جو مرزا غلام احمد کو اپنا نبی نہ مانے تو وہ کافر ہے، انھوں نے قرآن کریم میں تحریف کرنے کی کوشش بھی کی، اللہ تعالی کے فرمان: ﴿وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ﴾ [الأحزاب: ٤٠] کو قرآن سے خارج کرنے کی ناکام کوشش کی۔

نیز انگریزی اور دیگر زبانوں میں اس کا غلط ترجمہ پیش کیا، تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کے جھوٹ اور مکر وفریب سے آگاہ رہیں اور ان سے علمی جنگ کریں۔

نبی ﷺ کی یہ حدیث ان پر صادق آتی ہے:

«إِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي كَذَّابُونَ ثَلَاثُونَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَنَا خَاتَمُ

النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي».

ترجمہ: میری امت میں تیس جھوٹے ایسے ہوں گے جو نبوت کا دعوی کریں گے، میں خاتم النبیّین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (۱)

ہم اللہ تعالی سے ہدایت اور حق پر قائم رہنے کی دعا کرتے ہیں۔

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْوَهَّابُ ﴾[آل عمران: ۸].

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناتو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين.

والحمد لله أولا وآخرا.

(۱) یہ حدیث صحیح ہے، امام ابو داود نے سنن ابو داود (۴۲۵۲) ترمذی نے جامع ترمذی (۲۲۱۹) اور ابن ماجہ نے سنن ابن ماجہ (۳۹۵۲) میں روایت کیا ہے۔
ابن حبان نے اسے صحیح ابن حبان (۷۲۳۸) میں « صحیح » کہا ہے۔
مذکورہ ائمہ نے اس حدیث کو ابو قلابہ عن ابی اسماء عن ثوبان کے طریق سے ایک لمبی حدیث کے تحت روایت کیا ہے جبکہ امام ترمذی نے بیان کردہ الفاظ پر ہی اکتفاء کیا اور کہا: یہ حدیث « صحیح » ہے۔

ہماری مطبوعات

وقف لله تعالى لا يجوز بيعه

یہ کتاب اللہ کیلئے وقف ہے اسکا بیچنا جائز نہیں ہے

مرکز دار الہدی، اڈپی، ہند

DAR-UL-HUDA CHARITABLE TRUST®

#1, First Floor, Himalay Pearl,
Udupi - Manipal Road, Kadiyali, Udupi,
Karnataka - India, Pin: 576102

DAR-UL-HUDA UDUPI

Cell: +91 7337814400 - +91 9945565905
WhatsApp: +966 507472706
Email: dar_ul_hudaudupi@yahoo.com
Web: www.darulhudaudupi.org

@ DAR-UL-HUDA, UDUPI